طنزیات و مضحکات

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ، الہ آباد

قیمت مجلد ساڑھے تین روپئے قیمت غیر مجلد تین روپئے

طنزیات و مضحکات

(اردو)

رشید احمد صدیقی

ہندستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ، الٰہ آباد

Published by
The Hindustani Academy, (U.P.)
ALLAHABAD

Printed by
S. S. Srivastava at the K. P. Press,
ALLAHABAD

اپنے "کالج" کے نام

(جسکے فیضان نے کسی دوسرے کے فیضان کا محتاج نہ رکھا)

عرض حال

اس مقالہ کی ترتیب و تدوین کی شان نزول عبرت ناک حد تک دلچسپ ہے یعنی یہ فہمائش پر لکھی گئی، فرمائش پر طبع کرائی گئی اور .... بخشائش کی توقع ہے!

ایسے لوگ مختلف نظروں سے دیکھیں گے، دوست خوش ہونگے دشمن ناخوش اور ایماندار خاموش .... ہمارے مخاطب صحیح ان میں سے ایک بھی نہیں ـ مخاطب صحیح مرشد ہیں جنھوں نے ایکبار شدید گرسنگی اور نیم غنودگی کی حالت میں فرمایا ”میاں، دیکھو،“ کوہ کندن و کاہ بر آوردن“ اور ”گور کندن و استخواں بر آوردن“ دونوں مہمل، زندگی کی تعبیر فضا سے کی جاتی ہے نہ کہ واقعات و حادثات سے“ اتنا ہی کہکر خراٹے لینے لگے اور رشد و ہدایت کا دروازہ، ہم پر بند ہو کر ان لوگوں پر کھل گیا جن کی زبان ہماری زبان سے بالکل مختلف تھی اور شاید سماعت ہماری سماعت سے زیادہ بطی الحس!

حتی الوسع مرشد کی ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ـ نئی دنیا کی فضا پیش کی گئی ہے نہ یہ کہ کولمبس کیا تھے کون تھے اور کیا ہوئے ـ اس مقالہ کی ترتیب و تدوین میں بھی اُصول مد نظر رکھا گیا ہے ـ جہاں تک ایشیائی زبانوں

کا تعلق ھے (گو ایشیائي زبانوں مین میری معلومات اردو ' فارسی اور ایک مشتبہ حد تک عربي ھی تک محدود ھیں) تاھم اس کا کیا علاج ' جب تک اپنی معلومات یا تجربات کو ساري کائنات پر محیط نہ سمجھئے (واقعہ کي صحت یا عدم صحت ' کا سوال نہیں) اس وقت تک نہ اپنا نفس خوش ھوتا ھے نہ دوسروں پر رعب پڑتا ھے ' طنزیات کا فن اور ادب بالکل ابتدائي مراحل میں ھے ابتدائی مراحل کو یہاں " ناقص " کا مرادف ھے تاھم بعض وقت ناقص کو ناقص کہنا انشاپردازی اور بھلمنساھت دونوں کے منافی ھوتا ھے اور ان میں سے کم سے کم ایک جزو ضرور ایسي چیز ھے جس کا میں حامل نہیں تو موئد ضرور ھوں -

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ اگر طنزیات و مضحکات کے فن اور انشا و ادب کو ھندوستان میں کبھی ایسا فروغ نصیب ھوا جو دیگر مکمل اور ترقي یافتہ زبانوں کے مقابلہ میں قابل اعتبار و اعتنا ھو تو اُس کی حامل یقیناً اُردو ھوگي - اُردو کي طرف سے لوگ مایوس ھیں لیکن لوگوں کی مایوسی اکثر فیشن ' مراق اور افلاس کے باعث بھی ھو سکتي ھے - فن اور ادب کبھی مایوس نہیں ھوتے - میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاھتا - یہاں بحث صرف طنزیات و مضحکات سے ھے - اس وقت اِس کے اچھے لکھنے پڑھنے والے موجود ھیں اور ایسے اچھے کہ وہ جبراً یا اخلاقاً بھي مایوس ھونا نہیں چاھتے - جب اُردو مایوس نہیں تو اُردو لکھنے پڑھنے والے کیوں مایوس ھوں -

میں نے ابھی کہا تھا کہ طنزیات کا فن اور ادب اُردو میں ابھی ایک حد تک ناقص ہے - ناقص ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے وہ برا ہے - ناقص سے میری مراد ' نا مکمل ' سے ہے - جیسی اب سے کچھہ قبل بڑی حد تک ہماری اُردو شعر و شاعری تھی اور اب بھی ہے لیکن صرف کسی حد تک - مجھے اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں اور اتنا دور تو یقیناً نہیں ہے جتنا کہ آزادی ھند ' جب اُردو میں طنزیات ' مضحکات اور مطائبات کا پایہ کم سے کم اُس سے تو بلند تر ہوگا جتنا لیگ آف نیشنس (انجمن اقوام) میں آج ہندوستان کا ہے !

غرض کہ جس طرح طنزیات کا فن اُردو میں ابھی '' ناقص '' یا '' نامکمل '' ہے ٹھیک اسی طرح یہ مقالہ بھی ناقص یا نا مکمل ہے - ورنہ شاید فن سے کامل ہم آہنگی نہ ہو سکتی ! اس میں بعض حضرات کا ذکر جہاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے وہاں بعضوں کا ذکر ہی سرے سے نہیں آیا - کمی بیشی کو متوازن رکھنے یا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے - سنتے ہیں موہنجوداڑو کے قریب ایک افیونی رہتے تھے - ایک دن معلوم نہیں جی میں کیا سمائی کہ روزہ رکھہ لیا ابھی پورے طور پر دن بھی نہیں چڑھا تھا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھوڑی دیر تک تو انتظار کرتے رہے -

بر کف جام شریعت بر کف سندان عشق

آخر میں شبنم حیات کا ایک گھونٹ لے ہی لیا ' اور انتہائی قطعیت کے ساتھہ بہ لحن نون غنہ فرمایا '

'' روزہ رکھنے کا ثواب، اور روزہ توڑنے کا عذاب برابر ' اور یاروں کا روزہ مفت ! '' اگر یہ فیصلہ صحیح ہے تو یہ واقعہ بھی غلط نہیں ' کہ ۔

بعض لوگوں کا تذکرہ ضرورت سے زیادہ طویل اور بعضوں کا سرے سے غائب ' دونوں برابر اور یاروں کی تصنیف مفت ! انشاپردازی کا '' یہ تاریخی '' نہیں '' مساحتی '' تصور ہے مولانا محمد علی مرحوم ' مولوی ولایت علی (بمبوق) مرحوم ' چودھری محمد علی رو دولوی کے مضامین باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے اور جو ملے وہ ٹھیک طنزیات کے تحت میں آتے نہ تھے اس لیے نظر انداز کردئے گئے ۔

مجھے اس مقالہ کے ترتیب میں اپنے بعض عزیز دوستوں اور بزرگوں سے نہایت گرانقدر مدد ملی ہے ۔ امداد کی نوعیتیں مختلف تھیں مثلاً کسی نے بات بتائی ' کسی نے تردید کی ' کسی نے مسودہ دیکھا ' کسی نے پروف پڑھا ' کسی نے غلط نامہ مرتب کیا ' کسی نے واہ واہ کی ' کسی نے کام جاری رکھنے اور ختم کرنے پر مسلسل اصرار کیا ' کسی نے قرض دیا اور نہیں مانگا اور کسی نے قرض لیا اور نہیں دیا ۔

اسماء گرامی حسب ذیل ہیں (علی الترتیب نہیں !)

۱ ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ' ام ۔ اے ' (علیگ) ' پی ۔ اچ ۔ ڈی ۔ دہلی ۔

۲ ۔ اصغر حسین صاحب اصغر ' مدیر ہندستانی ' ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد ۔

۳ ـ خواجہ منظور حسین ، (ام - اے ، علیگ) ، بی - اے
(آکسن) علی گڑھ ـ

۴ ـ سید بشیرالدین احمد ، ام - اے ، (علیگ) -
اسسٹنٹ لائبریرین علی گڑھ ـ

۵ ـ مولنا ابوبکر محمد شیث فاروقی صاحب ، ناظم
دینیات ، علی گڑھ ـ

۶ ـ ڈاکٹر اصغر علی حیدر ، بی - اس سی ،
پی ایچ - ڈی علی گڑھ ـ

۷ ـ حکیم شیخ محمد ممتاز حسین ، اڈیٹر اودھ پنچ ،
لکھنؤ ـ

۸ ـ ڈاکٹر عبادالرحمن خاں ، بی - اے ، پی ایچ - ڈی ،
علی گڑھ ـ

۹ ـ آل احمد سرور ، بی - اے ـ مدیر علی گڑھ میگزین
علی گڑھ ـ

زبان سے انکا شکریہ ادا کرچکا ہوں اب قلب اور قلم سے
دعائیں نکلتی ہیں ..

شرف قبول کا ملتجی و منتظر
رشید احمد صدیقی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

فہرست کتب متداولہ

مقالہ زیر نظر کي ترتیب میں حسب ذیل کتب
سے استفادہ کیا گیا ھے

1. لباب الالباب

2. تذکرہ دولت شاہ سمرقندي

3. منتخب لطائف عبید زاکانی

4. The Press and Poetry of Modern Persia by E. G. Browne.

5. History of Persian Literature by E. G. Browne

6. Biographies of Persian Poets by ,, ,,

7. Essays on the origin and Progress of Satire by Dryden.

8. English Satires by Smeaton.

9. Selections from the British Satirists by Cecil Headlam.

10. Satire by Cannan.

11. شعرالعجم از علامہ شبلی نعمانی

12. تذکرہ خندۂ گل مرتبہ مولنا عبدالباري آسي صاحب

13. متعدد رسائل اور متفرق مضامین اُردو

اُردو طنزیات و مضحکات

''ایک سؤر کو اِس سے بھي زیادہ مکروہ شکل میں پیش کرنا جیسا کہ خود خدا نے اس کو بنایا ھے طنز یا تضحیک (سٹائر) ھے -''

(چسترٹن)

''بعض تعریفیں (Definitions) صحیح ھوتي ھیں اور بعض محض دلچسپ ' لیکن سب سے زیادہ موثر وہ ھوتي ھیں جو برجستہ ھوں -''

(مرشد)

انتباہ :—''از دشنام گدایاں وسیلئي زناں و زباں شاعراں و مسخرگاں مرنجید -''

(عبید زاکاني)

ھماري آپ کی جان سے دور ' قرون اولی میں یونانیوں کے دو مقتدر دیوتا تھے ' اِلٰهة الفلاحت اور اِلٰهة الخمر اور حقیقت یہہ ھے که اس دور کي خصوصیات ارر میلانات کو مدنظر رکھتے ھوئے اِن دو دیوتاؤں کے علاوہ ذھن انساني میں کسي اور کي گنجائش بھي نہ تھي - انسان واھمہ‌پرست اور خلقتہً کمزور واقع ھوا ھے ' اِس لئے کسي طاقتور (یا مافوق العادت) ھستي کا سہارا ڈھونڈھنا اُس کي فطرت ھے - ھر وہ وحشي یا نیم وحشي انسان جس کو اپني ضرورت کا احساس تھا اپنے فکر اور عمل کے اعتبار سے مذھبي یا توھم‌پرست تھا اور اب بھي ھے اور حقیقت یہہ ھے کہ انسان اپني انتہائي تہذیب اور ترقي کے باوجود آج بھي توھم‌پرست ھے ' وہ صرف مخلوق خداوند کا معتقد ھے -

فسانۂ طنزیات

انسان کے عہد اولین میں یقیناً ایسے مواقع بھی آتے ہوں گے جب اُس کو ہر قسم کی عافیت اور کامرانی نصیب ہوتی ہوگی ، مثلاً غلہ پکنے کا وقت ، خرمن جمع کرنے کا موقع ، موسم کا اعتدال ، فضا کی دلکشی ، صحت یا خوشگواری وغیرہ ، اُن مواقع پر اُس کی مسرت اور نشاط میں ایک طرح کا ہیجان ہوتا ہوگا اور وہ معمولی سے زیادہ اُس کا اظہار کرتا ہوگا - ظاہر ہے یہی مواقع رفتہ رفتہ عید الجماعت میں منتقل ہوتے ہوں گے -

ہر عید یا تیوہار اپنے وجود کے اعتبار سے دو پہلو رکھتا ہے ، ایک مذہبی ، دوسرا تفریحی - کسی تیوہار کی مثال لے لیجئے اُس کی تاریخ اس حقیقت کی ترجمان ہوگی ، دن کا کچھ حصہ عبادت یا نذر نیاز میں اور بقیہ سیر و تفریح ، ملنا جلنا ، دید و بازدید میں صرف ہوتا ہے - اِن حالات کے ماتحت آپ اہالیان یونان کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیں ، اُن کے دو مخصوص اور محبوب دیوتاؤں الٰہۃ الفلاحت اور الٰہۃ الخمر تھے ، جن کے نام پر نذریں اور قربانیاں تہدیہ کی جاتی تھیں - اِس نذر نیاز کا بیشتر حصہ غلہ اور شراب ہوتا تھا - یہہ مراسم ختم ہو لیتے تو رنگ رلیوں کا دور آتا جس میں عورت ، مرد ، بچے ، بوڑھے ، جوان ، سب ہی شریک ہوتے - ہنسی ، دلگی ، مذاق ، تمسخر ، پھکڑبازی ، طعن و طنز ، سب و شتم ، برہنگی و بے راہ روی ، سب ہی کچھہ ہوتا ، جن کو آج آپ آرٹ اور آزادی سے بھی موسوم کر سکتے ہیں اور بربریت اور بے حیائی سے بھی ، فرق صرف زمان و مکان کا ہے ، افعال و افکار کا نہیں -

طنزیات کی ابتدا انہیں بدمستیوں اور برهنگیوں سے هوئی هے - یہاں اس امر کا بھی جائزہ لے لینا چاهئے کہ یہہ هنسی دلگی یا سب و شتم کس نوعیت کا هوتا هوگا؟ غالباً اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ هوگا کہ جب انسان کے جذبات میں تموج هوتا هے اور اس پر ایک هیجانی کیفیت طاری هوتی هے اُس وقت اُس کا لب و لہجہ هی نہیں بدل جاتا بلکہ ایسی حالت میں اُس کے لب و زبان سے جو کلمے ادا هوتے هیں وہ اپنی ترکیب اور بندش کے اعتبار سے بھی مختلف هوتے هیں؟ لب و لہجہ اور ترکیب و بندش کی یہہ عجیب نوعیت؟ فن شعر و شاعری میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی هے جس کا اصطلاحی نام هم نے اوزان اور قافیہ اور ردیف رکھ دیا هے؟ آواز اور الفاظ کی اُنہیں مختلف نوعیتوں کو هم موسیقی سے بھی تعبیر کرتے هیں - یہہ اصطلاحی اوزان در حقیقت همارے متلاطم جذبات کے اوزان هیں جن سے هم گریز کر سکتے هیں؟ لیکن انکار ناممکن هے؟ چنانچہ عہد قدیم کے یونانی اُنہیں رنگ‌رلیوں میں جو طعن و طنز؟ سب و شتم؟ هنسی دلگی؟ پھکڑ یا فحاشی پر مشتمل هوتی تھیں ایک قسم کے بے ربط وزن کا بھی التزام هونے لگا جس نے مرور ایام سے نظم کا جامہ اختیار کر لیا - یہی سبب هے کہ یونان اور روم کے جتنے مشہور هجوگو هوئے وہ سب کے سب شاعر تھے - عربوں کے یہاں بھی هجو کی تعریف و تشریح میں جو کچھہ کہا گیا هے وهاں نظم کی شرط ایک حد تک لازمی قرار دے دی گئی هے - عربوں میں هجا سے مراد وہ اشعار هیں جن میں کسی قوم؟ کسی فرد؟ کسی جماعت یا کسی کی منقصت کی گئی هو -

موجودہ ناقدین میں یہہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ اہالیاں روم
نے یونانیوں سے طنزیات اخذ کیا یا یہہ خود اُنہیں کے افکار دماغ کا نتیجہ
رومن اور لاطینی طنزیات ہے - جولیس اسکیلیگر (Julius Scaliger)
اور ہنسی‌اس (Heinsius) اول الذکر خیال کے
علمبردار ہیں؛ ریگل شی اس (Regaltius) اور کیسبن (Casaubon)
موخر الذکر نظرئے کے معتقد؛ لیکن قبل اِس کے کہ اُن عقائد
سے بحث کی جائے اِس امر کا اظہار ضروری ہے کہ لعن و طعن
یا سب و شتم ہر قوم میں خود بخود نشو و نما پاتے ہیں - اِس لئے
یہہ بحث کہ اس فن کو اہالیاں روم نے یونان سے حاصل کیا یا
اسباب خاص میں یونانی اہالیاں روم سے مستفید ہوئے ایک حد
تک بے سود اور غیر متعلق ہے - اسکیلیگر کو اصرار ہے کے یہہ
چیز یونان سے روم کو منتقل ہوئی اور ثبوت میں یہہ حقیقت
پیش کرتا ہے کے لفظ سطائر (Satire) طنز یا ہجو کے مفہوم میں
سطیرس (ایک قسم کا مختلف الاعضا جانور) یا بقول دیگر
اُلہۃ الفلاحت سے (جس کی ہیئت بکرے اور آدمی کی شکل
سے مرکب تھی) ماخوذ ہے - دوسری طرف کیسبن اور اُس کے مقلّدین
اِس مفہوم سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں - کیسبن کا دعوی
ہے کہ سطیرس سے سطیرا نظم کے مفہوم میں اخذ نہیں کیا جاسکتا؛
کیونکہ سطیرا اسم نہیں بلکہ صفت ہے؛ نظر بر اں اُس کو سطائر
نہیں بلکہ سطائری کہہ سکتے ہیں؛ دوسری طرف یہہ حقیقت بھی
فراموش نہ کرنی چاہئیے کہ اُلہۃ الخمر اور اُلہۃ الفلاحت کے لئے
سال کی اولین مختلف زرعی پیداوار ایک چنگیر میں بطور نذر
اور تہدیہ پیش کی جاتی تھیں - اِس چنگیر کو (Satura laux)
کہتے تھے - نظر بر اں "سطائر" کا مفہوم ایک ایسی نظم سے بھی

وابستہ کیا جا سکتا ہے جس میں مختلف اقسام کي پست اور رکیک طعن و طنز مختلف بحروں میں ادا کي جاتي ہوں -

یونانیوں کے یہاں ایک اور چیز بھی تھی جسے وہ سِلّي (Silli) کہتے تھے ؟ یہہ ایک طرح کي دشنامي نظم ہرتی تھی اور رومن سطائر سے مشابہ تھي - طیمون (Timon) نے جو سِلّي لکھی تھي اُس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانہ میں پروڈیز (ایک قسم کی مضحک تضمین) بھی مقبول تھی جس میں کسي معقول اور سنجیدہ نظم کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیرکر مضحک بنا دیتے تھے - لیکن اُس کے ساتھہ اِس امر کو بھي ملحوظ رکھنا چاھئے کہ یہہ صنف کلام اھالیاں روم میں بھی عام تھا - آسونیس (Ausonius) نے جو قطعات لکھے تھے اُس میں ورجل (Virgil) کے الفاظ اور جملوں کو اُلٹ پھیر کر پوری نظم کو مضحک بنا دیا تھا - لسان العصر اکبر مرحوم کي بعض نظمیں بھی اِس قسم کي ہیں جن میں حافظ کے بعض اشعار یا غزلوں کو اِس طور پر اُلٹ پلٹ دیا ہے اور ایسے مصرعے چسپاں کر دئے ہیں کہ پوری نظم دلچسپ اور مضحک بن گئي ہے - قونطلین (Quintilian)) اور ہوریس (Horace) کا یہہ بھي دعویٰ ہے کہ طنزیات کي تکوین اور نشو و نما لاطیني فضا میں ہوئي ہے اور وہیں سے یہہ یونان کو منتقل ہوئي ہیں -

طنزیات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے اِس سے ایک طور پر یہہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ في الحقیقت ڈراما اور تھئیٹر کے اولیں اشارات اُنھیں رنگرلیوں ؟ قربانیوں اور فحاشیوں سے وابستہ ہیں جو تمدن اور معاشرت کے عہد اولیں

میں برسرکار تھیں اور یہہ کچھہ تھئیٹر اور ڈراما ھی پر منحصر نہیں ھے بلکہ خود موجودہ عہد کے جتنے مہذب یا غیر مہذب رسمیں ؛ مذھبی یا روائتی عید یا تیوھار ھیں اُن سب کا تاریخی اور نفسیاتی پہلو ؛ عہد اولین کے اُنھیں معتقدات نظری یا عملی سے وابستہ ھیں -

مرور ایام سے معاشرت اور مذاق میں بھی انقلاب پیدا ھوا ؛ اور وھی چیز جو کسی وقت غیر مرتب اور غیر منظم صورت میں موجود تھی نسبتاً مرتب اور منظم نظر آنے لگی - فیسنائین (Fescennine) جو کسی وقت وزن اور قافیہ سے بالکل معرا تھی ؛ اب اِن صفات کی حامل ھوکر زیادہ وسیع اور مقبول بن گئی - یہاں تک کہ جولیس سیزر نے جب گالس پر فتح پائی اُس وقت یہہ عسکریوں کی زبان پر تھی ؛ لیکن ابھی اُس کو وہ رتبہ نہیں نصیب ھوا تھا کہ مہذب حلقوں میں باریاب ھو سکتی - لیکن کچھہ بعد زمانہ کے تصرف سے اُن پر کسی قدر تمیز و تہذیب کا عمل ھوا اور رفتہ رفتہ فحش اور سوقیانہ عنصر بالکل حذف کر دیا گیا - یہہ گویا طنزیات کے علم و فن کا بحیثیت علم و فن کے اولین سنگ منزل تھا ؛ روم کے اسٹیج پر طنزیات کو ایک مستقل وجود کی شکل میں پیش کرنے کا سہرا لوی اُس انڈرونیقاص (Livous Andronicus) کے سر ھے - یہہ ایک یونانی نژاد غلام تھا جس کو اُس کے آقا نے روم کے آزاد شہری بن جانے کا شرف عطا کیا تھا - انڈرونیقاص اپنے وطن کے طور طریقے مطالعہ کرچکا تھا ؛ اِس لئے روم کے اسٹیج پر بھی اُس نے اُنھیں خد و خال کو نمایاں کرنا شروع کر دیا جو یونان کے امتیازی خصوصیات تھے - بعضوں کا تو یہاں تک خیال ھے کہ روم میں اِس نے یونانی اسٹیج کے طور طریقے ھی نہیں نمایاں کئے بلکہ یہاں کے طرز انشا اور طریقۂ تصنیف پر بھی یونانی نقوش ثبت کر دئے - اِس نظریہ

کے تسلیم کرنے میں یوں تامل نہیں کر سکتے کہ اُس کی بزمیہ (کومیڈی) ارسطافینس کی تصانیف کی آئینہ ہے - اِس طور پر گویا روم کی تاریخ طنزیات میں تین مراحل نہایت نمایاں نظر آئیں گے -

(۱) وہ طعن و طنز جو ابتدا میں محض برجستہ فحاشی، پھکڑ اور رنگ رلیوں پر مشتمل تھی،

(۲) وہ درمیانی زمانہ جب طنزیات میں سے فحش اور سوقیانہ عنصر حذف کر دیا گیا اور ہر قسم کی بے محابا رنگ رلیوں میں کسی قدر سلاست اور سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی - یہہ گویا ایک قسم کی بے ہنگام نقالی اور ہزالی کا دور تھا جس میں نہ تو ابتدائی عہد کی فحاشی اور رکاکت تھی اور نہ بعد کے تماشوں کی تہذیب اور تنظیم -

(۳) لوی اِس اندرونیقاص کا دور جس نے طنزیات کو ایک مستقل حیثیت دے کر اسٹیج کے قابل بنا دیا اور جس کے متعلق یہہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ اُس نے یونانیوں کی قدیم بزمیہ کا احیاء کیا -

لوی اِس اندرونیقاص کو روم میں اسٹیج قائم کئے ہوئے ابھی نہایت مختصر زمانہ گذرا تھا کہ اینی اس (Ennius) پیدا ہوا - اُس نے اپنے ہموطنوں کی ذہانت اور طباعی کا پورے طور پر احساس کیا اور اِس نتیجہ پر پہونچا کہ جہاں تک طنزیات کا تعلق اسٹیج سے تھا اُس کی بعض نوعیتیں قابل گرفت تھیں - نظر براں سب سے پہلے اُس نے یہہ اصلاح پیش کی کہ رکاکت اور عامیانہ پن

کا عنصر کلیۃً حذف کرکے اُس کو لطیف اور سلیس‌تر بنا دیا جائے - اُس نے یہہ التزام بھی کیا کہ آیندہ سے اُس میں علمی آب و رنگ کا اضافہ بھی کر دینا چاھئے - بالفاظ دیگر اُس کو ایسا جامہ پنھانا چاھئے کہ اُس کا مشاھدہ ھی نہیں بلکہ مطالعہ بھی کیا جا سکے - اندرونیقاص کی تمام تصانیف اِن اساسی اصلاحات کی حامل ھیں -

ڈیسیر (Dacier) کا خیال ھے کہ ایني اس کے سامنے لویس اندرونیقاص کی تصانیف نہ تھیں جس کی تمامتر بنیاد یونانی بزمیہ پر تھی بلکہ یہہ رومن سطائر کا خوشہ چین ھے - لیکن ڈرائڈن کو اِس نظریہ سے اختلاف ھے - اُس کا بیان ھے کہ ایني اس کی تصانیف کا ماخذ یوناني بزمیہ اور اُس کی دلنشین نوک جھونک ھے جس کا مظہر اندرونیقاص کي تصانیف تھیں - دوسري طرف یہہ حقیقت بھی فراموش نہیں کی جا سکتی کہ ایني اس کو اطالوی تھا لیکن یوناني السنہ کا زبردست عالم تھا - یہاں تک کہ اُس کا عقیدہ تھا کہ ھومر کی روح نے اُس کے کالبد کو اپنا نشیمن بنا لیا تھا - نظر براں یہہ تسلیم کرنا حقیقت سے دور ھوگا کہ اُس نے اپنے ھموطنوں کے مزخرفات اور دھقانیت سے استفادہ کرنا کبھي گوارا نہ کیا ھوگا - بہر حال اُس نے یوناني بزمیہ سے استفادہ کیا یا اُن بےمحابا اور بےھنگام نقالیوں یا فحاشیوں سے فائدہ اُٹھایا ھو جو روم میں عروج پر تھیں - یہہ امر مسلمہ ھے کہ ایني اس رومن طنزیات کا اولین مصنف ھے -

ایني اس کا بھانجا لوسی لیس (Lucilius) اُس کے بعد پیدا ھوا ؟ اِس لئے اپنے ماموں ھی کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنایا - یہہ بھي ممکن ھے کہ ایني اس نے اُس کی تعلیم و تربیت

اپنے مخصوص نہج پر کی ہو ۔ لوسي لیس کے دوران حیات ہی میں بقوویس (Pacuvius) نمودار ہوا ۔ اس نے اِسی یونانی بزمیہ کو لطیف تر پیرایہ سے اختیار کیا جس کا اولین رومن طنزیات میں اندرونیقاص کے عہد تک وجود نہ تھا ۔ هوریس کا خیال هے کہ لاطینیوں میں اولین طنزی شاعر لوسی لیس هے ۔ لیکن ڈرائڈن کا بیان هے کہ اُس نے اینی اس کی طنزیات میں صرف ایک قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا ۔ اور یہ خیال بعیداز قیاس هے کہ خود لوسي لیس نے کسي قسم کی طنزیات وضع کي ۔ مگر زمانہ کي رفتار کے ساتھہ ساتھہ جوں جوں رومن زبان زیادہ سنجیدہ اور سلیس هوتي گئي اُس میں یونانی زبان کي شیرینی اور لطافت قبول کرنے کي صلاحیت بڑھتي گئي ؛ بایںهمہ هوریس اور قونطلین دونوں لاطینی طنزیئین میں لوسي لیس کو فضل تقدم دیتے هیں ۔

یہاں طنزیات کی ایک دوسري صنف کو بھي بیان کر دینا مصلحت سے خالي نہ هوگا ؛ طنزیات کی یہہ قسم بھی قدما کي میراث هے اور اُنھیں سے منتقل هوتي آئي هے ۔ عام طور پر اُس کو وارونی طنزیات کے نام سے موسوم کرتے هیں لیکن وارو (Varro) جس سے اس قسم کي طنزیات وابستہ کی جاتي هے اُس کو مینپّی (Menippian) بتاتا هے ۔ روم کي دنیاے ادب میں وارو علامۂ اجل تصور کیا گیا هے ۔ یہہ مینیپس (Menippus) کا متبع تھا جو فلسفہ کلبي کا معتقد تھا ۔ اینی اس کي طنزیات کی مانند وارونی طنزیات میں نہ صرف مختلف اقسام کي نظمیں شامل تھیں بلکہ اُس میں نثر کي بھي آمیزش تھي ۔ وارونی طنزیات اب تقریباً لاپتہ هیں

سوا ان چند مختلف اجزا کے جو اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بالکل مسخ هو چکي هیں - خود وارو کا بیان هے که اُس نے اپني تصانیف میں نه صرف مطائبات اور مضحکات کو دخل دیا هے بلکه اُس میں فلسفه کے پیچیده اور دقیق مسائل بھي داخل کردئے هیں وارو کے متبعین میں سے ایک بطرونیس اربطار (Petronius Arbiter) هے جس کي تصانیف کے متعلق کہا جاتا هے که هالینڈ میں شائع هوئي هیں دوسرا سینیکا (Seneca) هے جس کی متعدد تصانیف مثلاً کلاڈیس (Claudius) اور سیمپوزیم (Symposium) وغیره هیں - دور جدید میں اریسمیس (Erasmius) اور بارکلے وغیره گزرے هیں - انگریزي ادب میں وارونی اتباع کا پہلو که اس میں نثر کا حصه بھي شامل هوتا تھا صرف اسپنسر (Spenser) اور ڈرائڈن (Dryden) کے بعض تصانیف میں نظر آتا هے -

رومن طنزیات کے بعض اهم پہلوؤں سے آشنا هونے کے بعد یه ضروري هے که چند مشہور اور مستند لاطینی طنزیئین مثلاً هوریس ' جوونل اور پرسي اس کے طرز کلام پر ایک مختصر تنقیدی نظر ڈال لي جائے تاکه آینده ان لاطیني طنزیئین کے تذکره کا جب موقعه آئے اور ان کا حواله دیا جائے تو مفہوم آساني کے ساتھ ذهن نشین هوسکے -

هوریس ' جوونل اور پرسي اس

اسیمٹن (Smeaton) کا قول هے که هوریس جوونل اور پرسي اس هر ایک نے کم و بیش لوسي لیس (Lucilius) کے طنزیات سے استفاده کیا هے - هوریس نے اس فن کو اوج کمال پر پہونچا دیا - اُس نے لوسي لیس کي طنزیات کو ان مخصوص حالات اور

واقعات رسم و رواج اور طور و طریقہ کا ہم آہنگ بنادیا جو عہد آگسٹس (Augustus) کے امتیازات خصوصی تھے ۔ ہوریس نے اپنے سلجھدہ اور شگفتہ مذاق طعن و طنز میں ایک قسم کا مذہبی تقدس پیدا کر دیا تھا ۔ آگسٹس کے عہد حکومت میں غیر ملکی عنصر جسقدر غیر ملکی عنصر پر غالب ہوگیا تھا اور روم کی مہتم‌بالشان سیرت خصوصی پر جیسا کچھہ اُس کا مذموم اثر پڑ رہا تھا، ہوریس نے اُن پر نہایت دلگداز حملے کئے ہیں ۔ کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طغیان اور عصیان کا ایک ناقد اور مبصر کی حیثیت سے مطالعہ کررہا ہے؟ کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اس عصیان زار میں گردش کھا رہا ہے ۔ اس کے بعد یکایک اُس کا لہجہ بدل جاتا ہے اور وہ سوسائٹی کی سفاہت اور شقاوت اور اُس کی بے بصری کا ماتم کرنے لگتا ہے جو مسائل حیات کی حیات بخش پاکیزگیوں کی طرف سے برتے جاتے تھے ۔ ہوریس کا یہہ نمونہ اکبر مرحوم کے کلام میں ملتا ہے ۔ ہوریس کے مانند اکبر مرحوم بھی اسطور پر کہتے تھے گویا صرف مذاق و مزاح کو دخل دے رہے ہیں ۔ وہ سب کچھہ ھنس ھنس کر اور ھنسا ھنسا کر کہتے سنتے تھے ۔

پرسی‌اس (Persius) فلسفہ زینونی کا معتقد تھا ۔ اس کی تمام‌تر تصانیف اسی عقیدہ کی ترجمان ہیں ۔ وہ صداقت کا علمبردار تھا وہ بھی اسطور پر کہ اُس کے ہر لفظ سے خلوص اور سنجیدگی کا اظہار ہوتا تھا ۔ رومن طنزیات کی تزئین اور تہذیب کا سہرا پرسی اس ہی کے سر ہے ۔ اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اس راز کا انکشاف کیا کہ طنزیات کی کامیابی اور کمال کے لئے لازم ہے کہ صرف ایک ہی موضوع اور مضمون ہو ۔ ایک فرد خاص ہو جس میں

اگر دوسرے عیوب ظاهر بهي هوں تو محض سر سري طور پر سرزنش کر دیجائے - پرسي اس کے وضع کئے هوئے یه وہ اصول تھے جنکی پیروی انگریزي ڈراما نے کي هے یہاں بهي صرف ایک هي ترتیب اور تنظیم هوتي هے اور ایک ضمني پلاٹ هزل اور نقالي کا بهي هوتا هے تاهم وہ اصل واقعه یا موضوع سے رهنموں رهتا هے - هوریس کے یہاں یه خصوصیت نہیں پائي جاتي ؛ لیکن اُس کے متبعین اِسي سلسله میں یه دلیل پیش کرتے هیں که اُس کے یہاں وحدت اور یکتائي موضوع کی یوں ضرورت نه تھي که "سطائر" کا لفظ هي عبارت هے ایک ایسے طباق یا چنگیر سے جس میں مختلف اقسام کا غله اور پهل هو - پرسي اس نے رومن ڈراما میں جو جدت پیدا کي تھیٔ اور جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا هے ؛ اُسی کو فرانس کے مشہور نقاد بوائلو (Boileau) نے بهي خضر راہ بنایا هے - جوونل نے پرسي اس کي تقلید کي هے یه بهي محض ایک هي نقص یا عیب کو مخصوص کر لیتا تھا اور اِسي کي سرزنش پر اپني پوري قوت صرف کرتا تھا - جوونل کي طنزیات اپني شعلهنوائي اور خیطبانه هیجان و طغیان میں مثال نہیں رکھتیں - اِن خصوصیات کا وہ امام هے - جوونل کا پیرایه بیان انگلستان میں لینڈلینڈ اور هندوستان میں مولانا ابوالکلام کی تحریروں میں ملتا هے - بلکه یوں کہنا بهي حقیقت سے دور نه هوگا که اپنے اپنے طرز کے اعتبار سے لینڈلینڈ اور مولانا ابولکلام ایک هی وادی کے دو امام هیں - لیکن لینڈلینڈ اور جوونل کے زاویۂ نگاہ میں یه فرق هے که گو اِن دونوں کے نقوش پر تیرگي محیط هے ؛ لیکن لینڈلینڈ کے

ظلمت کدہ میں کبھی کبھی امید کی شعاعیں نظر آ جاتی ہیں دوسری طرف جوونل کی تاریک فضا امید کی طلعت ریزیوں سے بالکل بے نیاز ہے -

یہاں تک جو کچھہ بیان کیا گیا ہے وہ طنزیات کی شان نزول سے متعلق تھا - اب تک یہ کہیں نہیں بتایا گیا ہے کہ طنزیات کی تعریف اور اُس کا ادبی مفہوم کیا ہے -

طنزیات یا ہجو و ہجا کی تعریف

کسی چیز کی تعریف پہلے بیان کرنا اور پھر اُس کی تشریح اور توضیح کردینا میرے نزدیک ایک ایسا اصول ہے جو ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی - کسی واقعہ یا مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ سب سے پہلے وہ فضا پیش کر دی جائے اور وہ روایات پیش کردی جائیں جن کی ماتحت وہ واقعہ ظہور پذیرا ہوا ہو -

ہجا کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ کسی شخص ، شے یا واقعہ کی برائی بیان کی جائے خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز ، صحیح ہو یا غلط ، اُس کی مختلف نوعیتیں ہیں اور اُس میں سب و شتم ، طعن و طنز ، ہنسی ، ٹھٹول ، نوک جھونک ، فحاشی ، پھکڑ اور مغلظات سب آ جاتے ہیں - لیکن جب سے اُس کو ایک فن کی حیثیت حاصل ہوئی ہے اُس کا مفہوم بھی محدود کر دیا گیا ہے - "سطائر" (Satire) کا جو مفہوم انگریزی میں ہے اُس کی پوری اور صحیح ترجمانی (ہماری یہاں کے کسی ایک لفظ میں) تقریباً ناممکن ہے - عربی اور فارسی میں اس موقعہ پر چند الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں - مثلاً ہجو و ہجا ، ہجو ملیح ، تعریض ، تنقیص ، لعن و طعن ، طعن و طنز ، استہزا ، مذمت ، مضحکات

شطحیات جد و هزل وغیرہ - ان الفاظ کے دینے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اِن میں سے ہر ایک ‌‌”ستائر“ (سطائر) کا مترادف ہے - اکثر اُن الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ (مناسبت موقع کے لحاظ سے) یا الفاظ کی ترکیب اختیار کی جاتی ہے -

راقم اسطور نے اُن میں سے صرف ایک لفظ طنز یا طنزیات (و مضحکات) اختیار کیا ہے یہ صحیح ہے کہ طنزیات سے بھی وہ مفہوم پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتا جو ”سطائر“ میں مضمر ہے - لیکن اُس میں بھی شک نہیں کہ ”طنزیات“ کا مفہوم سطائر (Satire) کے مفہوم سے بڑی حد تک متجانس اور ہم آہنگ ہے - دوسری خوبی یہ ہے کہ اِس لفظ کے اختیار کرنے سے چند اور سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا - اور کچھہ نہیں تو اِس میں کافی اشتقاقی سہولتیں ہیں - بہر حال یہ ناموں کا اُلٹ پھیر ہے بہت ممکن ہے اِس سے بہتر لفظ دریافت یا وضع کیا جا سکے -

”سطائر“ کی تعریف هلسي اس نے یوں کی ہے -

”یہ ایک قسم کی نظم ہوتی ہے جس میں کسی واقعہ یا عمل کا تسلسل نہیں پایا جاتا - جو ہمارے ذہن اور دماغ کو آلائشات سے پاک کرنے کے لئے وضع کی گئی ہے ؛ جس میں غلطیوں؛ جہالتوں اور اُن دیگر عوارض کو جو اِن سے مرتب ہوتے ہیں؛ فرداً فرداً مورد لعن و طعن قرار دیا جاتا ہے کبھی اُس کو بطور ڈراما دکھایا جاتا ہے اور کبھی یونہی پیش کیا جاتا ہے - بعض اوقات دونوں طریقوں پر ؛ لیکن اکثر اشارۃً و کنایۃً وہ بھی پست اور بے تکلفانہ انداز سے ؛ طریق گفتار تیز اور تلخ ہوتا ہے ؛ اُس کے

علاوہ کچھہ ظرافت اور تمسخر کی بھی رعایت رکھی جاتی ھے جس کا مقصد تنفریا تنغض یا ھنسی اور قہقہہ کا اکسانا ھوتا ھے ۔ ''

در اصل یہ تعریف نہیں بلکہ تفصیل ھے اور تفصیل ھی نہیں بلکہ یہ ھوریس کی طنزیات کی تشریح ھے ۔ یہ کچھہ ضروری نہیں ھے کہ سطائر کا تعلق صرف ڈراما سے ھو یا صرف شعر میں ادا ھو یا طریق گفتار تیز اور تلخ ھو ۔ دوسری طرف عربی میں ھجا سے وہ اشعار مراد ھیں جن میں کسی قوم ، کسی فرد ، کسی جماعت یا کسی زمانہ کی منقصت کی گئی ھو ۔

لیکن یہاں اس امر کو خصوصیت کے ساتھہ مدنظر رکھنا پڑے گا کہ جہاں تک ھجو و ھجا کا تعلق کسی قوم ، فرد ، جماعت اور زمانہ کی منقصت سے ھے ، وھاں تک تو کسی کو انکار نہیں ھو سکتا اور یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ھجو و ھجا میں منقصت کا پہلو ھمیشہ نمایاں ھوتا ھے اور ھونا چاھئے ۔ لیکن رومن ، لاطینی اور عربی فضلا نے جو شرط شعر کی لگادی ھے وہ ایک بڑی حد تک غیر ضروری ھے ، ھجو و ھجا کا ایک اضافی پہلو تو شعر ھو سکتا ھے ، لیکن ھجو و ھجا کے لئے شعر کو لازمی قرار دے دینا کلیۃً دور از کار ھے ۔

راقم السطور کا خیال ھے کہ عربی شعرا کے مانند رومن اور لاطینی شعرا بھی شعر سے مراد خیالات کی ندرت اور برجستگی لیتے تھے اور جہاں تک رومن اور لاطینی طنزیئین کا تذکرہ ھوچکا ھے میرے مذکورہ نظرئے کی تائید ھوتی ھے ۔ رومن اور لاطینی طنزیات کی شان نزول بھی وھی بے محابا یا بر محل برجستگی ھے جس کو رومن ، لاطینی اور عربی شعرا شعر و شاعری کا جزولاینفک

سمجھتے رہے ہیں - نظر براں عہد حاضر میں ہجو و ہجا سے شعر کي شرط اگر حذف کردي جائے تو کوئي قباحت لازم نہیں آتي اور یہي نہیں بلکہ اس شرط کو قائم رکھنے سے بہت سے مستند طنزئیں اس جماعت سے حذف ہوجاتے ہیں ؟ روم اور یونان میں طنزیات کي ابتدا ایک قسم کے ڈرامے سے ہوئي تھي - اس لئے شعر کي قید ممکن ہے ضروري سمجھي گئي ہو ؟ دوسري طرف عربي شعرا ہیں جن کا رخت حیات ہی شعر و شاعري پر مشتمل تھا - لیکن اُردو طنزیئین ایک بڑي حد تک اس قید سے آزاد ہیں اِن کا شمار جائز طور پر بہترین طنزي مصنفین میں ہوسکتا ہے -

بقول تھیکرے؟ طنزي ؟ حتي الوسع زندگي کے ہر شعبہ پر ناقدانہ نگاہ ڈالتا ہے اور مکر و فریب ؟ رعونت و منافقت ؟ حق و باطل کے خلاف اس طور پر جہاد کرتا ہے کہ بالاخر ہمارے جذبات مرحمت و محبت یا نفرت و حقارت کو تحریک ہوتي ہے اور ہم اِن جذبات کو برسرکار لانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں - مظلوم اور ناتواں کے لئے شفقت محسوس کرتے ہیں اور ظالم و جابر کو قابل نفرین و ملامت تصوّر کرتے ہیں -

تھیکرے نے ہجو و ہجا کے باب میں جو اظہار خیال کیا ہے وہ ایک طور پر ہجو و ہجا کے عمل و اثر سے متعلق ہے اور در اصل ہجو و ہجا کے صحیفہ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے - یہاں ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ہجو و ہجاؔ کي مسلمہ تعریف کیا ہے انگریزي ادبا اور فضلا کا ایک حد تک متفقہ خیال یہ ہے -

"ہجو و ہجا (طنزیات کے مفہوم میں) کا مقصد یہ ہے کہ کسی بے ہنگام یا مضحکہ خیز واقعہ یا حالت پر ؟ ہمارے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہو بشرطیکہ اس ہجو و طنز میں ظرافت

یا خوش طبعی کا عنصر نمایاں ہو اور اسے ادبی حیثیت بھی حاصل ہو۔ اگر اِن حیثیتوں کا فقدان ہوا تو پھر یہ محض گالی گلوچ یا دھقانیوں کی طرح منھہ چڑھانا ہوگا ''

(انسائکلو پیڈیا برٹانکا)

اس تعریف کو ہجو و ہجا کی بیسویں صدی عیسوی کی تعریف کہہ سکتے ہیں ورنہ رومن اور لاطینی طنزیئین کی ایک بڑی تعداد جن کے یہاں سوا پھکڑ اور فحاشی کے کچھہ اور نہیں ہے طنزیئین کے صنف سے خارج ہو جاتے ہیں دوسری طرف ان طنزیئین کی تصانیف کو وہ ادبی حیثیت بھی حاصل نہیں ہے جو انگریزی فضلا کے پیش نظر ہے ۔

اصلاً ہجو و ہجا سے تنقیص و تعریض مراد ہوتی ہے ۔ ایسی تنقیص یا تعریض جس سے جذبۂ تفریح یا نفرت کو تحریک ہوتی ہو ' راقم‌السطور کا ذاتی خیال ہے کہ اس قسم کی تنقیص یا تعریض کو ادبی حیثیت حاصل ہو یا نہ ہو ان کا اپنے مورد پر پورے طور چسپاں ہو جانا از بس لازمی ہے اگر یہ پورے طور پر (بقول شخصے) '' چپک نہیں جاتیں '' تو پھر ان کو ہجو و ہجا یا طنزیات کے بجائے '' لغویات '' کہنا زیادہ موزوں ہوگا ۔ ہجو و ہجا کے سلسلہ میں بہت سے الفاظ جملے یا لطیفے ایسے ہو سکتے ہیں جو ادب کی کسوٹی پر صحیح اُترنا تو در کنار اس کے قریب بھی نہیں لائے جا سکتے ' لیکن اپنے مفہوم اور موقع و محل کے اعتبار سے اتنے موزوں اور برجستہ ہو سکتے ہیں کہ اُن پر ہجو و ہجا کا پورا طور پر اطلاق ہو سکتا ہے ۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ بہت سی چیزیں ادبیت سے مُعرا ہو سکتی ہیں بایںھمہ

یہی نہیں کہ اکثر مذاق سلیم پر قطعاً بار نہیں ہوتیں بلکہ مذاق سلیم ان کا شکر گزار بھی ہوتا ہے ۔

نظر بزاں ہجو و ہجا سے ایسی تنقیص ، تعریض یا تضحیک مراد ہے (اور اس میں وہ تمام الفاظ ، آواز ، انداز ، حرکات و سکنات اور اشارات شامل ہیں جو ـــــ فرض کرلیجئے کانگریس سے منسوب کئے جا سکتے ہیں اور جن کے خلاف آرڈیننس نافذ ہو چکے ہیں) جو اپنے مورد پر ہر حیثیت سے یا کسی نا کسی پہلو سے لیکن پورے طور پر چسپاں ہوتی ہو ۔ اب رہا یہ امر کہ کس طور پر یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے ہمارا ذاتی خیال ہے کہ تنقیص یا تعریض کے لیے لازم ہے کہ وہ حقیقت پر مبنی ہو ۔ اس سلسلہ میں بے موقع نہ ہوگا اگر یہاں وہ اصول پیش کردئے جائیں جو ہجو و ہجا کے صحیفۂ اخلاق میں عربوں کے یہاں ملتے ہیں ،

(۱) جو چیز فی نفسہ قبیح یا مکروہ ہے اس کی ہجو کیجا سکتی ہے ۔

(۲) جسمانی یا فطری نقائص یا معائب کی مذمت نا روا ہے ۔

(۳) آبا و اجداد کی فرد گذاشت پر اولاد کو مورد لعن طعن قرار دینا نا جائز ہے ۔

(۴) اُنہیں معائب کو قابل گرفت تصور کرنا چاہئے جو عقل کے نزدیک قابل گرفت ہوں ۔

(۵) بہترین ہجو وہ ہے جو جلد ذہن میں محفوظ ہو جائے جس کی ترکیب اور معنی میں پیچیدگی نہ ہو جس کو عام مذاق جلد قبول کر لے اور صرف قبول ہی نہ کر لے بلکہ اس کو صحیح بھی سمجھتا ہو ، وغیرہ ۔

اب تک طنزیات اور طنزیئین کے سلسلہ میں جو کچھہ بیان کیا گیا ھے وہ عہد قدیم سے متعلق تھا اور ان زبانوں کا مختصر جائزہ لیا گیا ھے جن کا شمار کلاسکس (ادبیات عالیہ) میں ھوتا ھے اس کے بعد کوئی اور ایسا مرتب اور مربوط سلسلہ نہیں ملتا جس پر وثوق کے ساتھہ کوئی حکم لگایا جا سکے یا جس کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھہ سود مند ہو ۔

انگریزی طنزیات

اس میں شک نہیں ' از منۂ وسطیٰ ' طنزیات کی ایک وسیع جولانگاہ پیش کرتا ھے ۔ ارباب کلیسا کی فرسودہ معتقدات ان کی خلوت اور جلوت کی کارستانیاں ' جنس نازک کی کافر ماجرائی اور عشوہ‌زائی ؛ اصحاب دول کی فرعون سامانی ' ایسے واقعات نہ تھے جو اس عہد اور فضا کے لیے کسی طور پر ناساز گار ہوتے تاھم طنزیات کا کوئی مخصوص اسکول ' نہیں ملتا اور ھر پھر کر نگاھیں صرف ریلارڈ اور ڈانٹے پر پڑتی ھیں ۔

قرون وسطیٰ میں ریلارڈ اور ڈانٹے کا نمونہ انگلستان نے صرف لینگلینڈ اور چاسر کی ذات میں پیش کیا ھے یہ دونوں اپنے احساس اور تعلیمات کے اعتبار سے ھوریس اور جورنل کے علمبردار تھے ۔ ایک کی حیثیت اس دین‌دار کی تھی جو دشمنان عقل اور ذوق کو ھنسی دل لگی اور طعن و تشنیع سے مغلوب کرنا چاھتا تھا ' دوسرا اپنا پیام رسالت اُن کے خلاف پیش کرنا چاھتا تھا اور اُس کے لئے کبھی کبھی انتہائی طیش ناکیوں کے ساتھہ برھم نظر آتا تھا ۔ یہ دونوں مسالک انگریزی ادب میں اب تک کسی نہ کسی طور پر نمایاں ھیں ۔ ایک کے متعقد ۔

چاسر ' اڈیسن ' سوئفٹ ' تھیکرے اور ٹینیسن ھیں اور دوسرے کے علم‌بردار لینگلنڈ ' نیشن ' ڈرائڈن ' پوپ جانسن اور براؤننگ ھیں ۔

وجود میں آئے اس کا تفصیلی تذکرہ تقریباً نا ممکن ہے اور بے محل بھی - سولھویں صدی کے آخر اور جیمس اور کی وفات تک تقریباً سو شعرا اور نثار گذرے ہیں - بشپ ہال اس عہد کا بہترین نمونہ ہے - ہوریس اور جورنل کا اُس نے نہایت شوق اور محنت کے ساتھہ مطالعہ کیا تھا اور ان کا بہترین متبع تسلیم کیا جاتا ہے - ہال کا ہم عصر طامس نیش تھا جس نے جورنل کی اس خوبی سے پیروی کی تھی کہ بسا اوقات وہ خود جورنل کی سطح پر پہونچ جاتا تھا - ہال کا دوسرا ہم عصر طامس ڈیکر تھا جس کی ایک تصنیف "گلس هارن بک" ہے - اُس نے لندن کی معاشرتی زندگی پر نہایت جوش اور شدت کے ساتھہ حملہ کیا ہے - ہال کے بعد بعض حلقوں میں جان مارسٹن کو دوسرا درجہ دیا جاتا ہے -

اس عہد کے جتنے طنزی شعرا گذرے ہیں اُن میں سے اکثر و بیشتر نے ہوریس اور جورنل کے نقش قدم کو اپنا رہبر طریقت بنایا ہے - اُن کے یہاں اسلوب و انداز سے زیادہ نفس مضمون اور موضوع پر زور دیا جاتا تھا - جان بار کلے کی تصانیف بعض حلقوں میں اِس عہد کی بہترین ترجمان ہیں - بسرلیمانی جنگ کے دوران میں طنزیات کی سطح کسی قدر پست نظر آنے لگی تھی اُس کی وجہ ممکن ہے یہ ہو کہ شعرا زیادہ تر مذہبی اور جماعتی مناقشات میں الجھے رہے اور جیسا کے عام قاعدہ ہے ایسی حالت میں دریدہ دھنی مذاق سلیم پر اکثر غالب آ جاتی ہے جس کی نمایاں مثال کلیولینڈ ، اولڈھم اور کسی حد تک سموئیل بٹلر ہے -

لیکن یہ سب کچھہ پیش خیمہ تھا انگریزی طنزیات کے اس عہد زرین کا جس میں انگلستان کا بہترین اور بزرگ ترین طنزی شاعر جان ڈرائڈن عالم وجود میں آیا - جہاں تک طنزیئین کی

تعداد و شمار کا تعلق ہے الزبتھ کا عہد ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ' لیکن جہاں تک اس صنف کلام کی شگفتگی اور شگوفہ زائی کا تعلق ہے ہم کو سترھویں صدی کا آخری اور اٹھارویں کا تقریباً نصف ابتدائی حصہ مدنظر رکھنا پڑے گا جب ڈرائڈن کی دو مشہور تصانیف ابسلم اور اکٹوفیل شائع ہوئیں - اس زمانہ میں طنزیات کے وہ مایہ ناز علم بردار گذرے ہیں جن کا نام انگریزی ادب میں شاید کبھی فراموش نہ ہو - ڈرائڈن ' سوئفٹ ' ڈیفو ' اسٹیل ' اڈیسن ' اور پوپ کے تمام شاہکار اسی عہد کے یادگار ہیں - گولڈ اسمتھ ' شیریڈن ' مور ' اور بائرن بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں -

مذکرہ صدر عہد بھی مختلف ادوار پر مشتمل ہے ڈرائڈن سوئفٹ کلیولینڈ اور پوپ اپنے اپنے اسلوب بیان کے اعتبار سے اتنا ہی مختلف ہیں جتنا خود ہوریس اور جورنل - اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس وقت انگریزی ادب پر فرانسیسی ادبی رنگ غالب آ چلا تھا جس میں سب سے زیادہ نمایاں اثر فرانسیسی نقاد اور طنزی شاعر بوائلو کا تھا - انگریزی ادب میں ' ڈرائڈن کے بعد ''محتسب ادبی'' کی حیثیت اس کو حاصل تھی - سوئفٹ ' پوپ اور ڈرائڈن ہر ایک نے بوائلو کے تصرف اور فیضان کو انتہائی عقیدت سے تسلیم کیا ہے - لیکن اس میں بھی شک نہیں ' اس تمام عظمت اور برتری کے با وجود جو سوئفٹ ' ایڈیسن پوپ اور بائرن کو حاصل ہے ان کی تمامتر خوبیاں ڈرائڈن کے فیضان کی منت کش تھیں -

یہاں اس امر کا تذکرہ کردینا بھی غالباً بے محل نہ ہوگا کہ ڈرائڈن کے بعد جن طنزیگین کا نہایت زبردست اثر انگریزی ادب پر پڑا ہے وہ پوپ اور سوئفٹ تھے - ان کے ادبی کارناموں کا تذکرہ طوالت سے خالی نہ ہوگا لیکن غالباً اتنا اشارہ منزل مقصود کی طرف رہبری کرنے میں

متعین ہوگا کہ پوپ، ڈرائڈن کا شاگرد تھا ۔ شاگرد کی تصنیف نہ صرف
اُستاد کی تمام صفات کی بہمہ وجوہ حامل ہے بلکہ شاگرد نے ایک حدتک
خود اپنی ذاتی جوہر اور خوبی کا بھی نہایت صنعت کارانہ طریق سے
اضافہ کیا ہے ۔ البتہ ایک اختلاف ایسا ہے جسکا تذکرہ غالباً بے موقع نہ
ہوگا ۔ پوپ نے اپنے کلام میں طعن و تشنیع ، کینہ پروری اور زہر ناکی کو
زیادہ دخل دیا ہے حالانکہ استاد کے یہاں فیاضی اور کشادہ قلبی کا عنصر
غالب ہے ۔ پوپ اور سوئفٹ دونوں نے اٹھارویں صدی کے وسط میں رحلت
کی ہے ۔ اُن کے بعد طنزیات کی ادبی لطافتیں زائل ہونے لگیں ۔ یہ
انحطاط کچھہ عرصہ تک قائم رہا یہاں تک کہ گولڈ اسمتھہ نے اس زندگی
کی ایک تازہ روح پھونکدی ۔

انقلاب فرانس نے انگریزی طنزیات میں ایک جدید اسلوب کا اضافہ
کیا جسکے تصرف سے طنزیات میں سیاسی عنصر کی ایکدفعہ پھر
آمیزش نظر آنے لگی ۔ انیسویں صدی کے جن طنزی شعرا کا تذکرہ
ضروری ہے اُس میں سب پہلا ولیم جیفو فرد ہے اُس نے بھی لاطینی اساتذہ
فن کی تقلید کی ہے لیکن بسا اوقات اُس کے لفظوں اور فقروں میں شدت
اور برہنگی اس درجہ غالب آ جاتی ہے یا ذاتیات کو وہ جس حدتک
ہدف ملامت بناتا ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی بے محل نہیں ہے کہ
اکثر یہہ مذاق سلیم پر بار ہونے لگتا ہے ۔ اس عہد کی سب سے نمایاں
ہستی بائرن ہے اس کی بعض تصانیف اس فن کا بہترین نمونہ ہیں بائرن
کے بعد پریڈ کا دور آتا ہے جس کی نظموں کی شستگی اور پاکیزگی مسلم
ہے ۔ اس کی حیات ہی میں لیمب، سودی ، ڈزرائلے اور ٹام ہڈ اسٹیج پر
آئے ۔ ان میں سے بیشتر ایسے تھے جنھوں نے اجتماعی زندگی کے نقائص اور
ذمائم کو ہدف ملامت بنایا ہے ۔ مس آسٹین ، ڈکنس ، ڈگلس جیرولڈ
کی طنزی تصانیف بھی مختلف نوعیتوں کے ساتھہ بلند پایہ تسلیم کی

گئي هيں - اسي سلسله ميں "امريكن اسكول" كي طنزيات كا محض ضمني تذكره بهي يہاں سے موقع نه هوگا - اس كی بنياد واشنگٹن ارونگ نے رکھي تهي اور اس كے مبتعين هلر برٹن ، پالڈنگ ، هومس اور ڈڈلے هيں -

اب وه دور آتا هے جس ميں طنزيات نے اپنی ديرينه شدت تلخي اور زهرناكی ايک حد تک نظر انداز كردي هے - يه مصنعت اور مطائبات كا عهد هے - هر بات خوشگوار انداز سے كہي جاتي هے حرب و ضرب كا عهد گزر چكا هے - كچهه خوشگوار شوخياں ، اچهتي هوئی ضربيں ، تهوڑي بهت حريفانه چشمک - ليكن يه سب كچهه اس انداز سے كه ادبي لطائف و ظرائف پامال نه هونے پائيں - انگريزي ادب ميں عام هيں - اس سلسله ميں سورتمر كولنس ارتهرلاک ، فريڈرک لوكر ، ڈبلو اس گلبرٹ ، ڈاكٹر والترس اسمتهه كا نام خصوصيت سے ليا جاتاهے -

موجوده دور ميں اسكروائلڈ چسٹرٹن اور برنارڈشا كا شمار بهترين طنزيئين ميں هوتا هے ، جس كي تفصيل في الحال نظر انداز كي جاتي هے -

در شعر سه تن پيمبرانند هر چند كه لانبي بعدي
ابيات و قصيده و غزل را فردوسي و انوري و سعدي

فارسي طنزيات

ليكن فارسی شاعري كا يه كرشمه بهي ديدنی هے كه ايک طور پر ان ميں سے هر ايک هجو و هجا كے فن كا بهي امام تها - فردوسي كے متعلق بهاں كہا هے جاتا هے كه اُس كو طنزيئں کی صف ميں داخل كرنا جائز نہيں هے - ليكن اگر فردوسي كا تنہا شاهكار شاهنامه هے تو يه كہنا بهی غالباً بے محل نه هوگا كه خود شاه نامه سے كم شهرت اُس هجو كی نہيں هے جسے فردوسي ...

خلاف لکھکر اُس کے دامن کو ھمیشہ کے لئے داغدار اور اُس کي ادبي پرستاریوں کو بے نور کر دیا ۔ بعضوں کا تو خیال ھے کہ یہ ھجو اور اُس کي شان نزول دونوں فرضي ھیں لیکن یہاں یہ بحث کسي حد تک غیر متعلق ھوگي ۔ شاہ نامہ کے پرستاروں کي تعداد اور استعداد پر نظر رکھتے ھوئے یہ خیال قریں قیاس ھے کہ اس واقعہ (ھجو گوئي) کا قطعاً صحیح یا کلیۃً فرضي ھونا دونوں صحیح ھوسکتا ھے ورنہ یا تو شاید شاھنامہ محض ایک ”دوسرے درجہ“ کي کتاب ھے یا اُس کے پرستاروں کا شمار ”تیسرے درجہ“ کے لوگوں میں ھے ۔

شاھنامہ یا ایران کي داستان رزم و بزم فردوسی نے جس طور پر تن تن اور جھوم جھوم کر سنائي ھے اس سے کون نہیں واقف ھے ۔ اس سلسلہ کي آخري کڑیاں بھي ملاحظہ ھوں ۔

یکے بندگي کردم اے شھریار   کہ ماند ز تو در جہاں یادگار
بسے رنج بردم دریں سال سی   عجم زندہ کردم بدیں پارسي
اگر شاہ را شاہ بودے پدر   بسر بر نہادے مرا تاج و زر
و گر مادر شاہ بانو بُدے   مرا سیم و زر تا بزانو برے
چو اندر تبارش بزرگي نبود   نیارست نام بزرگان شنود
پرستار زادہ نیاید بکار   اگرچہ بود زادۂ شھریار
سر ناسزایاں بر افراشتن   و زیشاں امید بھي داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است   بجیب اندروں مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت   گرش در نشانی بباغ بہشت
ور از جوئي خلدش بہنگام آب   بہ بیخ انگبیں ریزي شیرناب
سر انجام گوھر بکام آورد   ھماں میوۂ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بھي داشتن   بود خاک در دیدہ انباشتن
جہاں راچواین است آئیں و ساز   کہ سازد فرومایہ را سرفراز

پشیزے بہ از شہریار چنیں — کہ نے کیش دارد نہ آئین ودیں
ازاں گفتم ایں بیتہائی بلند — کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ھجا — بماند ھجا تا قیامت بجا

فردوسي کو طنزیئیں کے صف میں داخل کرنا بعضوں کے نردیک اگر غیر متعلق یا غیر صحیح ھے تو غالباً علامہ شبلي مرحوم کے اس فیصلہ کو ملحوظ رکھنا بھی بعضوں کے نزدیک ایک سند جواز ھے -

"کلام کي جہانگیري دیکھو - محمود نے دنیا کي بڑي بڑي سلطنتیں مٹادیں ؟ ملک کے ملک غارت کر دئے ؟ عالم کو زیر و زبر کر دیا ؟ مگر فردوسي کي زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ھیں اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے" -

سلطان سنجر کے دربار کا نہایت زبردست اور معزز شاعر انوری بھي اس فن میں یکتائے عصر مانا گیا ھے - انوری کے نزدیک ھجو کی شان نزول یہ ھوتي ھے -

* سہ بیت رسم بود شاعران طامع را
یکے مدیح دگر قطعہ تقاضائی
اگر بداد سیم شکر ورنہ داد ھجا
ازیں سہ بیت دوگفتم د گرچہ فرمائي

آخر عمر میں انوري ھجو و ھجا سے تائب ھوگیا تھا جس کا تذکرہ ایک قطعہ میں نہایت بلاغت سے کیا ھے اور چوں کہ یہ خود اپني وقت میں اس فن کا امام رہ چکا ھے اس لئے ھجو اور ھجو گوئی کے متعلق اس کا نظریہ ھر طور پر قابل اتفات ھے -

دي مرا عاشقکے گفت غزل میگوئي
گفتم از مدح و ھجا دست بیفشاندم ھم

---

* یہ اشعار خلاق المعا ني کمال اصفہاني کے جانب بھي منسوب کئے جاتے ھیں -

گفت چون گفتمش آن حالت گمراهی بود
حالت رفته دگر باز نه آید ز عدم

غزل و مدح و هجا هر سه ازاں گفتم
که مرا شهوت و حرص و غضبے بود هم

آں یکے شب همه شب درغم و اندیشه آں
که کند وصف لب چوں شکر و زلف بخم

واں دگر روز همه روز دراں محنت و غم
که کجا از که و چوں کسب کند پنج درهم

واں سه دگر چوں سگ خسته تسلیش براں
که زبو نے بکف آرد که از و آید کم

چوں خدا این سه سگ گرسنه راخاشاکم
باز کرد از سر من بنده عاجز به کرم

غزل و مدح و هجا گویم یارب زنهار
بس که بانفس جفا کردم و بر عقل ستم

شعرائے فارسي میں هجو کا معیار نہایت پست رها هے اور افراد کي هجو میں یه اکثر انتہائی رکاکت اور فحاشي کو دخل دینے لگتے هیں - لیکن جہاں یه رکاکت اور فحاشی بجائے خود بے محل اور غیر متعلق هوجاتي هے ؟ وهاں اُن کي مبالغه آفریني اور جدت طرازي دلچسپ بهي هوجاتي هے -

فارسی شعرا کو گهوڑے کی هجو لکهنے میں نہایت لطف آتا هے - انوری نے گهوڑے کی هجو لکهی هے -

بر عادت از و فاق بصحرا بروں شدم
بایک دو آشنا هم از ابنائي روزگار

اسپے چناں کہ دانی زبر از میانہ زیر
وز کاهلي کہ بود نہ سکسک نہ راهوار
در خفت و خیز ماند همہ راہ عیدگاہ
من گاہ از و پیادہ و گاهی براو سوار
نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور
نہ از زمین خستہ بر انگیختے غبار
گہ طعنہ ازیں کہ رکابش دراز کن
گہ بذلہ ازاں کہ عنانش فرو گذار

اِس سلسلہ میں سودا کي نظم هجو اسپ موسوم بہ ''تضحیک روزگار'' بھئ قابل اعتنا ھے - بہت ممکن ھے سودا نے انوري ھي کي نظم پیش نظر رکھہ کر یہ نظم مرتب کی ھو کیوں کہ دونوں کی بحر ایک ھی ھے اور بعض مقامات پر خیال کي پرواز بھی ایک ھي جانب ھوئي ھے - سودا کے چند اشعار اس ضمن میں پیش کرنا غالباً ناضرین کي دلچسپي کا موجب ھوگا -

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
هرگز نہ اُٹھہ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ھے زینھار
آگے سے توبرہ اُسے دکھلائے تھا سئیس
پیچھے نقیب ھانکے تھا لاٹھي سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھہ ھوئے جمع خاص وعام
اکثروں مدبروں سے کہتے تھے یوں پکار
پھئے اسے لگاؤ تا ھوئے یہ رواں
یا بادبان باندھو پون کے دو اختیار

حکیم محمد بن عمرالجوهري الهروي نے بھي ایک قصیدہ اس موضوع پر ترتیب دیا ھے -

دی مرا آخر سالار خداوند جہاں
داد اسپے کہ ز پیر یست بفریاد و فغاں
سفتہ زن اسپ کہ از شانۂ او در رفتن
ھر زماں آید در گوش دگرگوں دستاں
راست مانند یکے اشتر باریک و حزیں
از سر شانہ بروں آمدہ او را کوھاں
پشتش از گوشت تهي گشتہ بسان تابوت
شکم از کاہ بپا گندہ بسان کہہ داں
سرطاں وار بیک پہلو در راہ رود
کہ همہ دست شد و پائے بسان سرطاں
در سر آید چو رسد پر شکمش زخم رکاب
بہ نشیند بدم انکہ چو کشي باز عناں
گفت با بندہ کہ با نوح بدم در کشتی
بکہ انکہ جہاں گشت خراب از طوفاں
یاد دارم کہ چو یوسف بعزیزي بنشست
سوئے مصر آمد یعقوب نبی از کنعاں

روحي والو الجي شاگرد قطران بن منصور ترمذی نے بھي اس میدان میں تگ و تاز کي ھے -

آں اسپ ناروان کہ زبے طاقتي چو آب
تا یافتے نشیب نرفتے سوئے فراز
بر دے بھر فراز و نشیبے ھزار بار
از دست و پائم لنگ زمین را بسر نماز

فرخاری نے بھي اسي موضوع پر چند اشعار کہے ہیں -

اسپے دارم کہ ہرگز ایزد
قانع تر ازو نیا فریند
تا روز ز عشق جو همه شب
از خرمن ماه خوشه چنید
گفته که جو نماند ازین غم
مي خواهد تعزیت ازیں گزیند
بوسیده پلاس وپارۂ کاه
مي خواهد تا درو نشیند

سلمان ساؤ جي کا رنگ ملاحظه هو -

شاها امید بود که خاهم بدولتت
بر مرکبے بلند و جوان و رواں نشست
اسپیم پیر و کاهل و کوته همی دهند
اسپے نه آنچناں که توانم براں نشست
چوں کلک مرکبے سیه و سست و لاغر است
جهل مرکب است بهٔاسپے چناں نشست
از بندہ مهتر است به سي سال راستي
گستاخي است بر زیر مهتراں نشست

جمال الدین محمد عبدالرزاق اصفهاني نے یوں طبع آزمائی کي ہے —

صائم الدهر اسپکے دارم که بده روز روزه نکشاید
در رکوع است سال و مه لیکن گهه گهے در سجود افزاید
روز عید است وهریکے امروز . بطعامي دهن بیامدید
گر تفضل کند خداوندم پارۂ کاه جو بفرماید
ورنه رخصت دهد کاندرشرع روزۂ عید داشتن شاید

مرزا مقیم جوهري کي جولانئ طبع ملاحظه هو -

رود چو آب فرو بر زمیں زبار گراں
اگر کند گزر از زیر نخل سایه فگن

اگر گره نزنم بردمش زکثرت ضعف
بساں رشته تواند گزشت از سوزن

نخور ده کاه و نه دیده است جو نه کند گیاه
بغیر یال و بالیش نیست در گردن

زبار ضعف سر از جائے بر نمیدارد
عناں بدارد اگر دست لطف در گردن

کوشکي قائینی ، محمد بن علي سوزني ، حکیم جلال ، دهقان علي شطرنجي ، عمعق بخاري ، صدر الدین عمر بن محمد الخرما بادي ، جلال الدین ناصر شمس غزنوي ، مجید الدین بیلقانی ، شرف الدین شفروه ، شرف الدین پذجدي ، سراج الدین اسفرائیني ، نجیب الدین خطاط ، اپنے اپنے عهد کے مشهور طنزیئین گذرے هیں - اِن میں سے هر ایک کي حاضر جوابی ، مطائبات ، مضحکات ، فحشیات یا مغلظات کا تذکره تفصیل کا محتاج هے جس کا موقع نهیں هے اور جس کي جرات بهی نهیں کي جاسکتی -

کمال اسمعیل کے باب میں کسي قدر تفصیل سے کام لینا قارئین کي دلچسپی کا باعث هوگا ، کمال کے متعلق علامه شبلي نے شعرالعجم حصه دوم میں فرمایا هے -

" شاعری پر سب سے بڑا احسان کمال کا یه هے که شاعري کي ایک ایسي صنف یعنے هجو اور ظرافت جو انوری اور سوزنی کي وجه سے لچوں کي زبان بن گئی تهی ، کمال نے اِس کو نهایت لطیف اور پر مزه کردیا - اگرچه بهتر تو یهي تها کے یه بیهوده صنف سرے سے اُڑا دی جاتي ، لیکن

ہجو شعرا کا ایک بڑا آلہ تھا جس سے اُن کے معاش کا تعلق تھا اس لئے وہ اس سے بالکل دست بردار نہیں ہوسکتے تھے"۔

ہجو اور ظرافت کو بیہودہ صنف قرار دینا یا اُس کو شعرا کے معاش سے وابستہ کرنا ایسا دعوی ہے جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اس میں شک نہیں اگر اس سے مقصود اس مخصوص قسم کی ہجا ہے جو فارسی ادبیات میں پائی جاتی ہے اور جس کا پایہ بڑی حد تک یقیناً پست ہے تو اُس کا نہ ہونا بہر حال اولیٰ تھا۔ یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ لاطینی طنزیات کے اولین شعرا بھی اس قسم کی رکاکت کو روا رکھتے تھے؛ لیکن یہ موازنہ یوں خوش آیند نہ ہوگا کہ اُن کا ابتدائی عہد فارسی کے ترقی یافتہ دور سے ہم آہنگ ہے اور یہ فارسی شعر و ادب کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ لیکن اسی سلسلہ میں زندہ اور اولوالعزم قوموں کے شعرا کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جو ہجو و ہجا کو بر سرکار لانے میں اسی جرات اور پا مردی کا اظہار کرتے آئے ہیں جو میدان حرب و ضرب میں سرفروشوں اور جانبازوں کا طرۂ امتیاز رہا ہے؛ جنگ واٹرلو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس کا فیصلہ ایٹن کے میدانوں میں ہوا تھا لیکن نپولین کی سطوت و جبروت کی پہلی شکست رولینڈ اور کرک شینک کی طعن و طنز اور ان کارٹونیوں (Cartoonists) سے ہوئی تھی جو ان آتش زبانوں کی تقلید کر رہی تھی۔ میدان جنگ میں بظاہر شکست و ریخت کا انجام سامان؛ سپاہی اور اسلحہ جات سے وابستہ ہوتا ہے لیکن بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں کہ زوال کی اولین بنیاد وہ شعرا اور مصنفین رکھتے ہیں جن کی تحریر و تقریر فریق محارب کے خلاف یا موافق بر سر کار رہ چکی ہوتی ہے۔

هجو و هجا کا حقیقی مفہوم فارسی شعرا نے بہت کم سمجھنے کی کوشش کی ہے - فارسی شاعری تقریباً تمامتر درباری رہی ہے اکثر وبیشتر شعرا دربار کو مد نظر رکھکر اظہار خیال کرتے تھے - اور یہی وجہ ہے کہ ان کا زاویہ نگاہ کافی وسیع نہ ہوسکا - یہی اعتراض ہوریس کی شاعری پر بڑی وارد ہوتا ہے جس نے ہمیشہ آگستس اور اس کے دربار کی سامعہ نوازی کے لئے قلم کو جنبش دی لیکن اس قسم کی مثال کثرت سے نہیں ملیگی -

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جہاں تک فارسی شعر و شاعری کا تعلق ہے ابتدا سے انجام تک شعر و سخن کا پایہ تقریباً یکساں بلند ہے عہد بعہد کی ترقیوں پر غور کیا جائے تو عام طور پر صرف اظہار خیال یا اسلوب بیان میں تھوڑا بہت فرق نظر آئے گا لیکن جہاں تک جذبات کی مصوری اور فن شاعری کا تعلق ہے اول سے آخر تک یکساں سطح نظر آئے گی - ہجو و ہجا کا بھی یہی حال ہے لیکن شروع سے آخر تک جتنا عام شاعری کا پایہ بلند ہے اتنا ہی اس صنف کلام (ہجو و ہجا) کا پست اور رکیک ہے اور لطف یہ ہے اور یہ لطف عبرت سے بھی خالی نہیں کہ سعدی ایسا ثقہ اور متشرع شاعر بھی اس حمام میں آکر عریاں ہونے پر مجبور ہوا - دوسری طرف دور جدید کا مشہور قادرالکلام شاعر قا آنی ہے جس نے اس سر زمین میں پہونچکر وہ لے دے کی ہے کہ اس کی نظیر بمشکل کہیں اور ملسکے گی -

یہ بحث گو مزید تفصیل کی محتاج ہے لیکن بخوف طوالت ہم یہاں اسی پر اکتفا کریں گے - اب ہم قارئین کی توجہ ایک دفعہ پھر کمال کی طرف مبذول کراتے ہیں کمال نے ایک بخیل کا خاکہ یوں کھینچا ہے -

دی مرا گفت دوستے کہ مرا　　　بافلاں خواجہ از پئے دوسہ کار

سخنے چند هست ازپئے آں خلوتے مي بہائدم ناچار
گفتم ایں فرصتے ارتوانی یافت وقت ناں خوردنش نگہ میدار

کسی نے کمال کو برا کہا تھا اس کا جواب کس لطیف انداز سے دیا ھے ۔

شخصے بد ما بہ خلق می گفت ما از بد اوغمی خراشم
ما نیکئی او بخلق گفیتم تا ھر دو دروغ گفتہ باشم

شیخ سعدی نے بھی بقول علامہ شبلی مرحوم (شعرالعجم) —

"غزل میں زاھدوں اور واعظوں کا پردہ فاش کیا ھے اور ریاکاری کی دقیق اور باریک کارسازیوں کی قلعی کھولی ھے خیام نے رباعیوں میں اس مضمون کو ادا کیا ھے لیکن صاف صاف اور کھلے کھلے لفظوں میں شیخ کی طرح چبھتی چبھتی چوتیں نہ تھیں" —

شیخ سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ کہنا قرین حقیقت ھے کہ خود صوفیانہ شاعری نام نہاد طبقہ زھاد وعباد کی فریب کاریوں پر ایک طویل اور جامع طنز ھے ۔ ایک حد تک یہ کہنا بھی صحیح ھے کہ صوفیانہ شاعری کا فروغ بھی اسی عہد سے وابستہ ھے جب طبقہ زھاد کی فریب کاریاں انتہا کو پہونچ چکی تھیں ۔ اس کی مثال عہد قدیم میں مشرق سے باھر بھی ملتی ھے ۔ لینگلینڈ نے اپنی تمثیلیہ میں قسیسیوں کی زیاں کاری اور راھبوں کی حرص و آز کا نہایت بدیع نقشہ کھینچا ھے اس عہد کے معاشری معائب اور معاصی کی لینگلینڈ نے نہایت سخت سرزنش کی ھے ۔ حافظ علیہ الرحمۃ نے زاھدوں کے "کار دیگر" کو اکثر نہایت لطیف اور دلدوز انداز سے برافگندہ نقاب کیا ھے ۔ حافظ کی تقریباً تمامتر شاعری ان لوگوں کی ریاکاریوں کا ایک نقش بدیع ھے ۔

املح الشعرا خواجه عبید زاکانی فارسی ادب کا بے پناہ ہجو گو تسلیم کیا گیا ہے - ان کی ہجو و ہزل کی شان نزول بھی نہایت عجیب اور عبرت زا ہے - تذکرہ دولت شاہ سمرقندی میں یہ واقعہ ان الفاظ میں درج ہے -

" مفخر الفضلا خواجه عبید زاکانی نسخه در علم معانی تصنیف کرده بنام شاه سخن شاه ابو اسحق میخواست تا آن نسخه بعرض شاه رساند گفتند که مسخره آمده است و شاه باو مشغول است - عبید تعجب نمود که هر گاه تقرب سلطانی بمسخرگی میسر گردد وهزالان مقبول و محبوب و علما و فضلا محجوب و منکوب باشند - چرا باید که کسی برنج تکرار پردازد و بیهوده دماغ لطیف را بدود چراغ مدرسه کثیف سازد ؟ بمجلس شاه ابوالحق نارفته بازگشت "

عبید نے ہزالی اور مسخرگی کا عزم کرلیا تھا - دوستوں نے صلاح دی کہ یہ فعل ناروا اور غیر مستحسن ہوگا لیکن یہاں صرف یہ جواب تھا -

" مسخرگی پیشه کُن و مطربی آموز
تا داد خود از مهتر و کهتر بستانی

سلمان ساؤجی نے ایک قطعہ تصنیف کیا تھا جس میں ان کی ہجو کی تھی -

جهنمی هجا گو عبید زاکانی
مقرر است به بیدولتی و بیدینی
اگرچه نیست زقزوین و روستا زاد است
ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

یہاں اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ظرفائے ایران کے نزدیک قزوینی احمق ؛ خراسانی خر ؛ طوسی گاؤ و بخاری گاؤ

تصور کئے جاتے ہیں عبید نے یہ قطعہ سنکر سلمان کی فکر میں بغداد کا رخ کیا۔ وہاں پہونچے تو سنا کہ سلمان دجلہ کے کنارے علما و فضلا کی صحبت میں مشغول سیر و تفریح ہے۔ یہ بھی کسی طرح باریاب ہوئے۔ دجلہ پر سیلابی کیفیت تھی؟ سلمان نے یہ مصرعہ پڑھا۔

دجلہ را امسال رفتار عجب مستانہ است

عبید نے برجستہ کہا۔

پائے در زنجیر و کف بر لب مگر دیوانہ است

سلمان نے خوش ہوکر دریافت کیا کہاں سے آنا ہوا۔ کہا قزوین سے سلمان نے کہا سلمان کا نام قزوین میں مشہور ہے اس کے اشعار میں سے بھی کسی کو وہاں قبول عام نصیب ہے انہوں نے کہا یہ قطعہ بہت مقبول ہے۔

من خرابا تیم و بادہ پرست
در خرابات مغاں عاشق و مست
میکشندم چو سبو دوش بہ دوش
می برندم چو قدح دست بہ دست

لیکن ساتھہ ہی ساتھہ یہ بھی کہدیا

"سلمان مرد فاضل است و می تواں ایں قطعہ را بوی نسبت داد؟ اماظن غالب؟ آن است کہ این قطعہ از زن او باشد" سلمان بد حواس ہوگیا اور سمجھہ گیا کہ کن بزرگ سے سابقہ پڑا ہے۔ بڑی معزرت کی اور ان کی مدارات میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا مولانا نے فرمایا۔

اے سلمان بخت یاورے کرد کہ زود باعتذار اقدام نمودی و از شرّ زبانم رستی"

عبید نے مختلف مباحث پر طبع آزمائی کی ہے - ان میں سے ایک رسالہ اخلاق الاشراف ہے - یہ رسالہ ان تمام مذاہی اور معاصی کے خلاف ایک طنز ہے جن کی ایران میں گرم بازاری تھی - عبید نے مضامین رسالہ کے دو عنوان مقرر کئے تھے ایک "مذہب منسوخ" یعنی اسلاف اکابر نے اصول زندگی اور نظام اخلاق کا کیا حقیقی معیار رکھا تھا - دوسرا "مذہب مختار" یعنی اخلاف نے ان تمام اصول کو مسخ کرکے اب کونسا طریقہ اختیار کیا تھا طوالت کے اندیشہ سے یہاں کوئی اقتباس نہیں پیش کیا جاتا -

دوسرا رسالہ صد پند ہے تمہید میں فرماتے ہیں اس کے محرک افلاطون کے وہ نصائح ہیں جن کو اس نے اپنے شاگرد ارسطو کے لئے منضبط کئے تھے ۔

مشتے نمونہ از خر وارے -

(۱) عیش امروز بفردا میفکنید ۔

(۲) زمان نا خوش را بحساب عمر مشمرید ۔

(۳) طعام و شراب تنہا مخورید کہ این شیوہ کار قاضیان و جہودان باشد ۔

(۴) از دشنام گدایان وسیلئی زنان و زبان شاعران و مسخرگان مرنجید -

اس کے بعد رسالہ تعریفات ہے جس کا نمونہ حسب ذیل ہے -

(الدانشمند) آن کہ عقل معاش ندارد ۔

(الخسیس) مالدار ۔

(الناامراد) طالب علم ۔

(المدوس) بزرگ ایشان ۔

(دارالتعطیل) مدرسہ ۔

(القاضي) آں کہ همہ او را نفریں کنند ؟

(الرشوۃ) کار ساز بیچارگاں ؟

(ملک الموت) ساقي باریش ؟

(ذوالقرنین) آں کہ دو زن دارد ؟

(المتواضع) مفلس ؟

ایک جگہ قرض کا نوحہ کیا ہے۔

مردم بعیش خوشدل و من مبتلائے قرض
هر کس بکار و بارے و من مبتلائے قرض
فرض خدا و قرض خلائق بگردنم
آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در شہر قرض دارم اندر محله قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت
از بسکہ خواستم ز در هر گدائے قرض
(خواجہ علاء دنیا و دین) آنکہ جز کفش
هرگز کسے نداد بگیتي سزائے قرض

کچھہ رباعیات بھي هیں لیکن چند کے علاوہ سب کي سب اس قابل هیں کہ ان کو کسي قسم کي تحریري یا زباني نقل و حرکت کي زحمت نہ دیجائے ۔ عبید نے ایک طویل ترجیع بند بھي تصنیف کیا ہے جس کي تفصیل کي یوں گنجائش نہیں ہے کہ خود اس کا مخصوص عنوان اس قدر بے محابا اور بے لگام ہے کہ اس کا تذکرہ نہ کرنا هي افضل ہے اس کے بعد کچھہ تخمیسات اور قطعات هیں ۔ سب سے آخر میں رسالہ دلکشا ہے ۔ ان میں

سے کسی کے متعلق تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہے ۔ آخر میں فرماتے ہیں :-

گرچہ توحید و بیاں درکار است
قدرے هم هزیاں درکار است

اس سلسلہ میں ۔

مفخرالظرفا سراج الدین قمری قزوینی ؛ املح الظرفا مولانا ابواسحق شیرازی ؛ مولانا برندق بخاری ؛ نادم جرجانی عباس نشاطی ؛ گنج ذرفنونی مولانا جلوتی اند خودی مفخرالفضلا و ظرفا خواجہ منصور قرابوغہ طوسی ؛ شہاب تر شیزی وغیرہ کا نام بھی آتا ہے ان میں ہر ایک مطائبات اور ہزلیات میں کمال رکھتا تھا لیکن ان کے کلام کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس کا تذکرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے ۔

فارسی شاعری کے طنزئین کا یہ ایک مختصر خاکہ تھا ۔ ہندوستانی فارسی شعرا میں نعمت خان عالی کا نام بھی اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے ۔ نعمت خان عالی کے یہاں طعن و طنز کے علاوہ جس میں ہجو ملیح کی بعض روشن مثالیں ملیں گی الفاظ کے الٹ پھیر ۔ اور ضلع جگت کا عنصر غالب نظر آئے گا ۔ ان کے مطائبات و مضحکات جہاں تک تشبیہ و استعارہ یا کسی علم و فن کے اظہار کا تعلق ہے خاص طور پر قابل اعتنا ہیں ۔

جہاں تک ایرانی شاعری کا تعلق امرا یا سلاطین کے دربار اور اُن کی شخصی حکومت سے ہے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رکھی جاسکتی کہ یہ فضا طنزیات کے لئے موزوں نہ تھی ۔ اس کے اسباب ظاہر ہیں جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جا چکا ہے ۔ لیکن جب سے ایران کی شخصی سلطنت معرض زوال میں آئی اور مشروطہ

کي پزیرائی کے لیے ایران بغاوت اور انقلاب کا گہوارہ بنگیا ۔ ہر گوں میں آزادي فکر کا عنصر پیدا ہوا اور مختلف ہمسایہ قوتوں نے اپني اپنی ریشہ دوانیوں سے ارض ایران کو ورطۂ کشا کش میں ڈالدیا ایران کي شاعري میں زندگي اور نمو کے آثار پیدا ہونے لگے ۔ اس کا اثر خود قاآنی کے کلام میں پیدا ہے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جہاں تک ہجو و ہجا کا تعلق ہے قاآني کا کلام اس کے پیشروؤں کے مانند پست اور رکیک ہے ۔

اقوام کے طبائع میں جب کبھي تضاد و تصادم پیدا ہوا اور اُن میں بیداري کے آثار نمایاں ہوئے خیالات کا جمود اور قدامت دوستي یکلخت مفقود ہوگئي ہے ۔ ایران کي موجودہ شاعري اسے کسر و انکسار کا نتیجہ ہے اور اس میں شک نہیں یہ بیداری ملک و ملت کے تاریخ میں ایک جدید اور روشن باب کا اضافہ کرتي ہے گو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لطافتیں ؟ وہ نازک خیالات اور حسّیات لطیف کي وہ مرقعہ کاري جو قدما اور متوسطین کا طرہ امتیاز تھا دور حاضر کي شاعري سے تقریباً ناپید ہے لیکن موجودہ شعر و شاعري میں زندگي کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس میں شک نہیں قوم کي خوابیدہ حمیت کو بیدار کرنے کے لیے یہ ضروري ہے کہ شعرا کبھي کبھي فرسودہ راستوں کو اختیار کرنے سے اجتناب بھي کریں ۔

شیخ فضل اللہ مشہور استبدادي مجتہد کا جس کے باب میں کہا جاتا ہے کہ اُس نے قوم کي آزادي کو سب سے زیادہ دام لگانے والے کے ہاتھہ فروخت کر ڈالنے کا ارادہ کیا تھا ؟ ایک شاعر نے یوں خاکہ کھینچا ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نظم ۱۲ جولائي ۱۹۱۹ع کو شائع ہوئي جس روز

کہ سپہدار کی کسان میں رضاکاران ملّی کا داخلہ طہران میں ہوا ہے -

حاجي بازار هراج است هراج   کو خریدار هراج است هراج
میفروشم همه ایران را   عرض و ناموس مسلمان را
رشت و قزوین و قم و کاشان را   بخرید این وطن ارزان را
یزد خوانسار هراج است هراج   کو خریدار هراج است هراج

طبل و شیپور علم را کے میخاد   شیر و خورشید رقم را کے میخاد
تخت عجم را کے میخاد   تاج کے؟ مسند جم را کے میخاد
اسپ و افسار هراج است هراج   کو خریدار هراج است هراج

گویند مردمان اروپا که کذب و شید
با طینت اهالئی ایران سرشته اند
هستند اگر نفوس اروپا چو مورنارد
ایرانیاں به نسبت ایشاں فرشته اند

ملک الشعرا بہار مشہدي نے سر اڈورڈ گرے کو یوں مخاطب کیا ہے -

سوئے لندن گذر اے پاک نسیم سحرے
سخنے از من بر گو به سر اڈورڈ گرے
کاے خردمند وزیرے که نپرورده جہاں
چوں تو دستور خردمند وزیرے هنرے
نقش پیطرز بفکر تو نقش بر آب
رائے بزمارک بهر رائے تو رائے سپرے
بر کشودے در صد ساله فرو بسته هند
بر رخ روس و نتر سهدي ز در بدري

زهے آں خاطر دانائي رزیں تو زهے
فرے آں فکر توانائي متین تو فرے !

جرمني کے باب میں ایرانیوں کو غلط فہمي تهي که یه مسلمانوں کا دوست اور روس کا دشمن تها - لیکن ایران کے معاملات میں اس کي مداخلت بیجا نے سارا نقشه پلٹ دیا - اس ناخوانده مهماں کي پذیرائي یوں کي گئی هے -

مهمان تازه وارد ایراں خوش آمدي
بالائے چشم جائے تو الماں خوش آمدي
ایران بخوان ماند و بیگانگاں بضیف
ناخوانده مهماں سر ایں خواں خوش آمدي
از بهر صید مرغ دل عاشقان زار
در دست دام و دانه بداماں خوش آمدي
با دعوي حمایت اسلام و مسلمین
گشتي دخیل حوزهٔ دز داں خوش آمدي
لیکن چوں برده اند حریفاں هر انچه بود
ترسم شود نصیب تو حرماں خوش آمدی
رندانه با بهانه دارالفنون و بانک
نائل شدي بمقصد پنهاں خوش آمدی

مرزا آقا خاں نے ناصر الدین شاه قاچار کے خلاف ایک هجو (غالباً) فردوسی کي نظم (هجو) پیش نظر رکهه کر لکهي تهي - یه کهنے کي ضرورت نهیں هے که یه نظم فردوسي کي نظم سے کهیں فرو تر هے -

اگر شاه را بود حسّے نهاں
مرا ساختي بے نیاز از جهاں

چو در خون او جوهر شرک بود
زتوحید اسلام خشمش فزود
مرا بیم دادي که در ارد بیل
تنم را بزنجیر بندي چو پیل
زکشتن نه ترسم که آزاده ام
زمادر همي مرگ را زاده ام

ایرني شاعري کا موجوده دور جس کے علمبرداروں میں اشرف مرزا اکبر علي دخو بهار مشهدي عارف قزوینی پور داؤد مرزاحسین کمال کا نام لیا جاسکتا هے اور جن کے کلام کا جسته جسته نمونه پیش کیا گیا هے متقدمین اور متوسطین کی کهنه شاهراه سے علیحده نظر آتے هیں لیکن باوجود ان تمام امید افزا توقعات کے جو اس دور کے ساتهه وابسته کیجاسکتي هیں پروفسر براؤن انجهاني کا یه مقوله بهی نظر انداز نهیں کیا جاسکتا ـ

"یه نظمیں اپنے اوصاف اور خوبیوں میں مختلف اور متنوع نظر آتی هیں اور گو ان میں سے بعض ایسي هیں جو محمد علي کے عزل کے بعد اور اس کے صغیرالسن فرزند سلطان احمد کي تخت نشیني کے دوران میں لکهي گئي هیں بحیثیت مجموعي یه قدیم طرز شاعري کي ترجمان هیں اور اُن نظموں میں جو هجو اور هزل سے متعلق هیں زبان کی وهي رکاکت پائي جاتي هے جو قدیم هجویات و هزلیات میں نمایاں هے"

طنزیات اردو

ہمارا " جنت نشان " اگر انیسویں صدی کے آخری مراحل سے گذر کر بیسویں صدی کے متعدد کروٹیں نہ لے چکا ہوتا تو آج یہ کہنے میں کس کو تامل ہو سکتا تھا کہ اُردو طنزیات میں (جعفر کی زٹلیات سے قطع نظر) سودا کے علاوہ کوئی اور ہستی نظر نہیں آتی - اُردو غالباً دنیا کی تمام زبانوں میں سب سے نو عمر ہے ' بایںہمہ اُس نے اتنی کم مدت میں جتنے منازل ترقی طے کیے ہیں وہ حیرت انگیز بھی ہے اور قابل فخر بھی ' اُس کا ابتدائی دور ہندو مسلمان دونوں کے خلوص اور جانفشانی کا مرہوں منت ہے - ایک معقول اور سنجیدہ ادب جن موضوعات پر مشتمل ہوتا یا ہو سکتا ہے ' وہ اُردو میں تصنیف و تالیف یا ترجمہ کے ذریعے سے کافی حد تک منتقل ہو چکا ہے - اگر کسی کو اُس کے بے بہا یا عالمگیر امکانات ترقی کی طرف سے اندیشہ یا مایوسی ہے تو یہ اُردو کا نقص نہیں ہندستانی قومیت کا نقص یا محرومی ہے ' جس کا ماتم ہندو یا مسلمان کریں یا نہ کریں ہندوستان کو تو بہر حال ہے !

بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ جہاں تک طنزیات کا بحیثیت فن اور ادب کے تعلق ہے اودھ پنچ (لکھنؤ) کے دور سے قبل طنزیئین کی مثال صرف سودا کی ذات میں ملتی ہے - سودا کے عہد میں چند اور طنزی شعرا موجود تھے مثلاً میر ضاحک فدوی ' مکین اور بقا لیکن ان کو کوئی مستقل حیثیت نصیب نہ تھی ' گھوم پھر کر نگاہیں صرف سودا یا پھر ان کے بعد کسی حد تک

انشا اور مصحفی پر پڑتی ھیں - انشا اور مصحفی کو مخصوص طور پر طنزیئین کے صف میں داخل کرنا موزوں بھی نہیں ھے - ھجر و ھجا ان کا مسلک شعری نہ تھا اور نہ اس حیثیت سے ان کو قبول عام نصیب ھوا - ان کی ھجر و ھجا صرف معاصرانہ چشمک کی حد تک تھی -

سودا کو اردو ھجو و ھجا میں نہ صرف فضل تقدم حاصل ھے بلکہ اُن کے کلام سے طنزیات کی بہترین صلاحیت و استعداد بھی نمایاں ھے ' لیکن جیسا کہیں عرض کیا گیا ھے بہترین طنز کی اساسی شرط یہ ھے کہ وہ ذاتی عناد و تعصب سے پاک اور ذھن و فکر کی بے لوث برھمی یا شگفتگی کا نتیجہ ھو - اس معیار پر سودا کی ھجویں تمام و کمال پوری نہیں اترتیں تاھم اس خارستان میں بھی طنز و مضحکات کے ایسے نمونے ملتے ھیں جن سے اُن کی زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کا ھمیں پوری طرح معترف ھوجانا پڑتا ھے -

سودا نے شعر و شاعری کی ھر صنف میں طبع آزمائی کی ھے لیکن ان کو جو خصوصیت ایک ھجو گو ھونے کی حیثیت سے حاصل ھے وہ سب پر فوق ھے اور یہی ان کا طغرائے امتیاز ھے ' مصنف آب حیات نے کہا ھے کہ اس فن میں ان کو اتنا کمال تھا اور لوگ اس وجہ سے ان سے اس درجہ خائف رھتے تھے کہ کبھی کسی کو ان سے ٹکر لینے کی ھمت نہیں ھوئی - سودا کے ھم عصر اور ایک حد تک مد مقابل میر ضاحک ' فدوی مکین اور بقا تھے - ان سے برابر چشمک ھوتی رھی ' مرزا نے ایک نہایت طویل الذیل نظم " اُلو اور بندے " کی لکھی ھے جس میں فدوی کو دونوں کا مجموعہ بنایا ھے - فاخر اور سودا سے بھی چوٹیں ھوا کرتی تھیں جس کا سودا کو ایک بار بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا تھا -

مرزا نے مرثیے اور سلام بھی کہے ہیں، لیکن علامہ شبلی کی مانند (جہاں تک مرثیہ کا تعلق ہے) یہ اس وادی میں اجنبی تھے - سودا کا اس صنف کلام میں بے آہنگ ہونا فطری تھا - ایک حقیقی طنزی شاعر کی نظر معائب اور نقائص پر پڑتی ہے اور وہ اسی کو طشت از بام اور مجروح کرتا ہے - مراثی اور سلام کا عقائد سے تعلق ہے - عقیدت اور پرستاری کا طنزیات سے کیا رشتہ -

سودا نے ایک قصیدہ ''شہر آشوب'' لکھا ہے - مصنف آب حیات کا مقولہ ہے کہ اس میں ابنائے وطن کا مرثیہ کہا ہے ممکن ہے یہ صحیح ہو لیکن اس نظریہ کے تسلیم کرنے میں یوں تامل ہوسکتا ہے کہ مرثیہ کا شمار ٹریجڈی (المیہ) میں ہوتا ہے حالانکہ سودا سر تا سر کومیڈی (بزمیہ) کے علم بردار ہیں - یاس اور حزن کا رنگ کہیں نمایاں نہیں ہے - سودا نے ہر جگہ کشادہ جبینی اور خندہ روئی کو دخل دیا ہے - راقم السطور کے نزدیک سودا کے کلام ''مرثیت'' سے قطعاً مبرا ہے، ان کے کلام کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ ان کے ذہن اور فکر کو کسی ایسے مرحلہ سے شاذ و نادر ہی گذرنا پڑا ہے، جس کی فضا تاریک یا حزن آفرین رہی ہو -

مرزا کے قصیدہ ''شہر آشوب'' کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ہے -

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشان ہے
گذرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کی یاں ہے
کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جاکر
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے

یہ سن کے دیا کچھہ تو ہوئي عید وگر نہ
شوال بھي پھر ماہ مبارک رمضان ہے
سوداگری کیجئے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہان میں
قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ پہ دزدي کا گمان ہے
شاعر جو سلے جاتے ہیں مستغني الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ
نیت قطعۂ تہنیت خان زماں ہے
تاریخ تولد کي رہے آٹھہ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سلے نطفۂ خاں ہے
اور ما حضر اخوند کا اب میں کیا بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس و جو کي دو ناں ہے
دن کو تو بیچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے
سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے
جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے
ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے
وہ بیست ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے محتاج
خوبي میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے
ہدیہ ہو سوا پانچ ٹکے گدڑی میں آکر
یاقوت پکارے جو بکاؤ یہ قراں ہے
دمڑي کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہر فراغت
چھٹتے ہی وہ شعرا کے تو مطعون زماں ہے
دیتا ہے دم خر سے کوئی شعلہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ گماں ہے
پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھکر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے
تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی
لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے
ڈھولک جولگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کو دے کوئی روئے کوئی نعرہ زناں ہے
بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر
سرگوشیوں میں پھر بد اسلوبی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس
کہتے ہیں کوئی حال ہے یہ رقص کناں ہے
اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے
سب پیشہ یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل
جورو تو سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
یاں فکر معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

ہجو بھی ایک قسم کی واقعہ نگاری ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ شخصیت،

موقعہ ، یا زمانہ کي صحيح ترجماني هو ۔ سودا نے اپنے طویل قصیدہ "شهر آشوب" میں جن اشخاص ، مشاغل ، یا حالت پر اظہار خیال کیا هے اور جس شاعرانہ بلاغت کے ساتهہ ان کے تمام جزئیات پر نظر ڈالي هے اس کا هر شخص قائل هوگا ۔ یہاں قصیدے کي نقل طوالت سے خالی نہ تهی شائقین کو اس قصیدہ کا مطالعہ کرنا چاهئے اور اس لئے اور بهی ، کہ یہ خود آج کل کے واقعات اور حالات کا آئینہ هے ۔

ایک جگہہ گهوڑے کی هجو کي هے وہ بهی قابل دید هے (قصیدہ در هجو اسپ المسمي بہ تضحیک روزگار) مثلاً ،

هے جب سے چرخ ابلق ایام پر سوار
رکهتا نہیں هے دست عناں کا بهی قرار
جن کے طویلے بیچ کئي دن کي بات هے
هرگز عراقي و عربي کا نہ تها شمار
اب دیکهتا هوں میں کہ زمانے کے هاتهہ سے
موچي سے کفش پا کو گٹهاتے هیں وہ اُدهار
هیں گے چنانچہ ایک همارے بهي مہرباں
پاوے مزا جو ان کا کوئي نام لے نہار
نوکر هیں سو روپئے کے دیانت کی راہ سے
گهوڑا رکهے هیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نہ دانہ و نہ کاہ نہ تیمار نہ سئیس
رکهتا هو جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
نا طاقتي کا اس کے کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اُسکے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانند نقش نعل زمین سے بجز فنا
هرگز نہ اُٹهہ سکے وہ اگر بیٹهے ایک بار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھکر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہو کے بیقرار
دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف
کھودے ہے اپنے سم سے کوئیں تاپیں مار مار
فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں وہی
گھوڑی کو دیکھتا ہے تو .... ہے بار بار
ہے اس قدر ضعیف کہ اُڑ جائے باد سے
میخیں گر اس کی تھان کی ہوویں نہ استوار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق یا سرنگ
خارشت سے ز بسکہ ہے مجروح بے شمار
ہر زخم پر ز بسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں
کہتے ہیں اُس کے رنگ کو مگسی اس اعتبار

سودا نے اپنے دوست سے یہ گھوڑا مستعار لینا چاہا تو اُنہوں فرمایا ۔

ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے ز روئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت سے ہو سوار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پاؤں
جز دست غیر کے نہیں چلتا ہے زینہار
اک دن گیا تھا مانگے یہ گھوڑا برات میں
دولہا جو بیاہنے کو چلا اس پہ ہو سوار
سبزے سے خط سیاہ و سیہ سے ہوا سفید
تھا سرو سا جو قد سو ہوا شاخ‌باردا
پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجوان
شبخو خدمت کے درجے سے کر اس طرف گذار

دهلي پر دشمنوں کی تاخت ہوتی ہے اور یہ گھوڑے پر بیٹھ کر میدان کار زار کا رخ کر رہے ہیں -

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا منھ میں باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پاؤں تھے فگار
آگے سے توبڑہ اُسے دکھلاتی تھا سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار
اس مضحکے کو دیکھ ہوئے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
پھندے اسے لگاؤ تا ہووے یہ رواں
یا باد بان باندھو پوں کے دو اختیار
کہتا تھا کوئی ہے بز کو ہی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ہے گا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
فتنے کو آسمان نے کیا مجھ سے پھر دو چار
دھوبی کمہار کے گدھے اُس دن ہوئے تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
ہر اک نے اُس کو اپنے گدھے کا خیال کر
پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار
بد پشمی اُس کی دیکھ کے تر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشے کو بیشمار
رکھتا تھا کوئی لاکے سپارے کو منھ کے بیچ
سو اس کے تن سے کوئی اُکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھسے کہ تو مجھ کو بھي چڑھا
دوں گا تکے تجھے میں بھي نوچندي ایتوار

اس کوفت اور خفت سے بے اختیار ھو کر راکب نے مرکب کو بد دعا دي ھے —

دست دعا اُٹھا کے میں پھر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الهي میں یوں پکار
پہلے ھی چھوٹتے گولا اس گھوڑے کے لگے
ایسا لگے یہ تیر کہ ھو وے جگر سے پار

مرھٹوں سے دو چار ھونے کے بعد کا حادثہ ۔

گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار
جاتاتھا جب تپٹ کے میں اُس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے چوں طفل نے سوار
جب دیکھا میں کہ جنگ کي یاں اب بندھي ھے شکل
لے جوتیوں کو ھاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار
دھر دھمکا واں سے لڑتا ھوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

موجودہ دور میں مبالغہ نگاري کي جس قدر مذمت کي جاتی ھے، وہ ظاھر ھے اور ایک حد تک درست بھی ھے ' لیکن متذکرۂ صدر ھجو میں کچھہ ایسے پہلو پیدا ھو گئے ھیں کہ یہاں مبالغہ ھی اُس کا حسن بن گیا ھے ۔ جدت فکر نے غلو کو انتہا تک پہونچا دیا ھے ' لیکن بجائے اُس کے کہ یہ گراں گذرے دل چاھتا ھے کہ کچھہ اور ھو ۔ نرپت سنگھہ کے ھاتھي کي بھی ھجو لکھی ھے ۔ اس میں شک نہیں زور بیان اور لطف کلام کا جو نمونہ ھجو اسپ میں نظر آتا ھے وہ اس میں ایک حد

تک بہت کم ہے ، لیکن یہ وہ صنف کلام ہے جس میں سودا کبھی پھیکے نہیں پڑے -

ہوئی آقا پر اُس کے تنگدستی　　کیا کرتا ہے اب وہ فاقہ مستی
بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال　　طناب سست سے خیمہ کا جوں حال
نمودار اس طرح ہر استخواں ہے　　گویا ہر پسلی اس کی نردباں ہے
ضعیفی نے کی اُس کی فربہی کم　　گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
کہا اُس کے مہاوت سے میں اکروز　　اگر آقا کے اپنے ہے تو دل سوز
تو کہہ اُن سے کہ اس کو بیچ ڈالیں　　عوض کاہش اُسکے چڑھنے کو گدھا لیں
دیا ان نے جواب اے میرے مخدوم　　خریداری تو اس کافر کی معلوم
جو ہاتھی ہو تو لے کوئی جان وثواب　　ہے بےایمان کی مسجد کی محراب
جو بیٹھے یہ تو اُٹھنا ہے اسے دور　　لگیں اسکو نہ جب تک راج مزدور
ہے اتنا چلنے میں بجر یہ بدذات　　نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ ہے اس مرتبہ بدی میں منحوس　　سنیچر جس کے ہوتا ہے قدمبوس
جسے لا پیٹھہ پر اُس کے بٹھایا　　گویا بارود پر دھر کر اُڑایا

شیدی فولاد خاں کوتوال شاہجہاں آباد کی ہجو میں ایک مثنوی لکھی ہے ، مختصر اقتباس درج ذیل ہے -

گشت اُن کا جو پھرتا آتا ہے　　یہی نرسنگیا بجاتا آتا ہے
سن لو چورو یہ مختصر قصہ　　صبح کو بھیجدیجئو حصہ
جو نظر باز اُس کا چترا ہے　　خوب دیکھو تو جیب کترا ہے
کسو کا کٹھہ کتی وتیرا ہے　　کوئی بھڑوا اُٹھائی گیرا ہے
جس کے گھر بیچ اُس کا آقا جائے　　صاحب خانہ پر یہ آفت آئے
تا خبر دار گھر کا ہو صاحب　　چوکھوڑے پان دان تک غائب
شام سے صبح تک یہی ہے شور　　توڑیو کٹھڑی لے چلا ہے چور
رات جو اپنے گھر میں کھنکارے　　چور دروازے پر یہ ہنکارے

ہوگی کب تک بچا خبرداري   چور جاتے رہے کہ اندھیاری
خلق جب دیکھ کرکے یہ بیداد   کرتے ہیں کوتوال سے فریاد
بولے ہے وہ کہ میں بھی ہوں ناچار   گرم ہے چوٹٹوں کا اب بازار
کرتے ہیں مجھسے اب بجاکر ڈھول   میری پگڑي کا میرے سر پر مول
یارو کچھ چل سکے ہے میرا زور   دیکھو تو تک کہاں کہاں ہے چور
مت سکے مجھ غریب سے یہ خلل   ہے امیروں کے گھر میں چور محل
دیکھئے گر بتاں کو بھی بخدا   ہاتھ میں ہے انہوں کے دزد حنا
کس کو ماروں میں کس کو دوں گالي   چوری کرنے سے کون ہے خالي
چڑھکے جب مفسدوں پہ جاتا ہوں   وقت پر میں بھي جی چراتا ہوں
مچ رہا ہے اب اس طرح کا سانگ   ہے خدا کے بھی گھر میں چورکی تھانگ
بچ سکے کیونکہ اب کسی کی شے   ملا مسجد کا صبح خیزیا ہے

آخر میں تو کمال ہي کر دیا ہے ، فرماتے ہیں :-

یہ جو سودا بکے ہے لا یعنی   آپ کرتا ہے دردئي معدي !

ایک مثنوي کسی دولت مند بخیل کی ہجو میں لکھي ہے - کہتے ہیں اُن کے دوست کسي بخیل دولت مند کے یہاں گئے - اتفاق سے بارش ہونے لگی ، میزبان نے پہلے تو پوچھا کوئی باراتي وغیرہ بھي ہمراہ ہے ، انہوں نے کہا بارش کا حال کس کو معلوم تھا ، میزبان نے کہا بارش میں سخت دقت ہوگی ، انہوں نے جواب دیا -

رکھے خالق سلامت آپ کي ذات   نہ کھلے گا تو میں رہوں گا رات

اب میزبان کی حالت دگرگوں ہونے لگی ، نوبت باینجا رسید کہ -

کہا اس نے کہ بھر کے آفتابا   محل کي جا ضرور میں رکھوا

اور چلتے چلتے مہمان کے کان میں کہہ گئے -

چاہو جو کچھ کہ اب تناول کو   کہدو بلوا کے اب بکاول کو

اُنہوں نے بکاول سے فرمائش کي تو وہ -

بولا تیار تو نہیں ہے کچھ — جاؤں ڈھونڈوں اگر کہیں ہے کچھ
تو تو لاؤں ہوں آپ کی خاطر — ورنہ کھاؤ مجھے میں ہوں حاضر

مہمان نے کہا اگر کچھ تیار نہیں ہے تو مودی سے جنس لیکر کچھ تیار کرلو ۔ اُس نے جواب دیا اُس کے پاس کیا رکھا ہے ۔ قصاب ' کونجڑہ ' سفرہ چین ' باورچی ' نان پز ' شاعر سب کا یہ حال ہے ۔

اور قصاب بھی جو آوے ہے — چھری بغدا مجھے دکھاوے ہے
جب میں کچھ کونجڑے سے کہتا ہوں — لہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بکتے ہے مجھسے یوں دو بر دو — لیجو ترکاری کی جگہ کدو
سفرہ چین دے ہمیشہ یوں گالی — منھہ رکھیں چکنا اور شکم خالی
مجھکو باورچی یوں ڈراتے ہیں — وہ تیری آش کیا پکاتے ہیں
نان پز کو جو دیکھوں بھر کے نظر — مجھسے کہتا ہے یوں وہ گیدی خر
تکے مشرف کے گھر لگاؤں گا — اور پلٹھن ترا نکالوں گا
کوئی شاعر جو یوں گذرتا ہے — میری ہی ہجو وہ بھی کرتا ہے

دوسروں کا حال یہ ہے ۔

بسکہ مطبخ میں سردی رہتی ہے — ناک باورچیوں کی بہتی ہے
ان کے مطبخ سے دود اُٹھے اگر — سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
روز باورچی یوں کرے فریاد — کبھی تو کچھ کرو ہمیں ارشاد
کیا تیرے بعد کر کے کھاویں گے — جب کسب اپنا بھول جاویں گے
کرے سو عید گنبد گردان — نہ تلے ان کے گھر سے پھر رمضان
الغرض مطبخ اس گھرانے کا — رشک ہے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور — اُن کی نا کے گھر کا تھا وہ تنور

میزبان کے ولی عہد نے اپنے کسی دوست کی ضیافت کی تھی اُس کا یہ حشر ہوا ۔

چاہتا تھا کرے یہ اُس کو عاق — اور ماں کو بھی اُس کے دیدے طلاق

بارے لوگوں نے آ کے سمجھایا — تب یہ جورو کے حق میں فرمایا
پتھر اُس کے عوض تو کیوں نہ جنی — کاش پھنس مرتا واں یہ ناشدنی
یارو مجھ سے تو لا ولد بہتر — میرا بیٹا اور اس قدر ابتر
اُس کا دادا بھی گرچہ تھا عیاش — اس سلیقے سے پر کرے تھا معاش
جو کوئی اُس کے گھر میں نوکر تھا — رات کو اس پہ یہ مقرر تھا
پھرتا وہ ٹکڑے مانگتا گھر گھر — لاتا آقا کے آگے جھولی بھر
اچھے چن چن کے آپ کھاتے تھے — برے تنخواہ میں لگاتے تھے

میر ضاحک کی خبر لیتے ہیں —

کنکری چننے پر ہے اب گذران — معدہ اُس کا ہے مرغ کا سنگدان
سنگریزے تلک نہ اُس سے بچے — معدے میں اُس کے تو پہاڑ پچے
گھر میں اب جسکے دیگچہ کھڑکے — در پر اُسکے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اُٹھکر آئے — میت اُس کی اُٹھائے یا نہ اُٹھائے
آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود — اک ذرہ بھی گر کرے ہے نمود
لوگ تو دوڑے ہیں بجھانے کو — دوڑے یہ لے رکابی کھانے کو
اس لئے ہجو خلق کرتا ہے — گالیاں کھانے تک پہ مرتا ہے
جو اسے میہماں بلاوے ہے — آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ہے
یہی کہتا پھر اُس کے گھر بیٹھے — اور کوئی نہ کھانے پر بیٹھے
جب تلک کھانا آوے ہی آوے — اسی بک بک میں جان کہا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح ٹوٹے — جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے

ایک دن اُن کے "ممدوح" کو کسی دوست نے کھانے پر مدعو کیا تھا، جلسے میں لوگ خوش گپیاں کر رہے تھے، اُن کا یہ حال تھا —

جاکے مبطخ پہ یہ پڑا اس طرح — میں بیان اسکا اب کروں کس طرح
لاٹھیاں لے لے ہاتھ پیر و جواں — کرتے ہی رہ گئے سبھی ہاں ہاں

گوشت چاول مسالہ ترکاری — سب سمیت اُس نے ایک ھي ماری
مطلق اُسلے نہ مانی ڈانٹ ڈپٹ — رکھہ کے کلے میں کر گیا سب چٹ
جن ھے یا آدمي ھے یا کیا ھے — یا کوئي دیو بوکھلایا ھے
نہیں ڈرتا یہ لاٹھي پاٹھي سے — کہا کرے لاٹھي اُس کي کاٹھي سے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا — لاشے کي روٹي کو بھي یہ کھاوے گا

حکیم غوث کے متعلق ارشاد ھوتا ھے -

مملکت ھند میں اب گھر بہ گھر — ھے ملک الموت سے مشہور تر
نسخہ نہ لکھتا کبھو وہ بد سرشت — بھرتي نہ انسان سے دوزخ بہشت
مرتے ھیں اس سے ز بس اب مرد وزن — کھاتے ھیں قرض اُس کے اوپر گور کن

حکیم صاحب کے مطب کا نقشہ بھي ملاحظہ ھو :-

جا کے وہ دیکھے جونہیں وحشت سرا — دل پہ کھلے معنی دارالشفا
چھٹتے ھي اک شخص کي دیکھي جونبض — کہنے لگا تجھکو بشدت ھے قبض
کچھہ نہیں کرنے کا بجز اس کے سود — لکھدیا یہ کہہ کے سفوف پہود
اور غذا اُس کو یہ بتلائے دوست — ماش کي روٹي سے تو کہا ساگ پوست
صاحب پیچش کو بتایا کتول — واسطے ھیضہ کے لکھا اسپغول
لکھدیا مجنون کو شیر شتر — کہدیا مستسقي کو جا فصد کر
کہنے لگا دیکھہ کے اک اور کو — زخم کو دنبل کے کرانا رفو

ایک جگہہ "فدوي" کي ھجو کي ھے :-

ایک خراسان کیا گو کہ یہ مکہ کو جائیں
جیسے ھي اِیدھر سے جائیں ویسے ھي اُودھر سے آئیں
پوچ زبان اُن کي سے شعر تو سرزد ھوا
کاتب بے چارہ مفت لعن کا مورد ھوا
شعر میں شاعر جو ھیں وہ تو تخلص کو لائیں
پر یہ تخلص بغیر نام نہ اپنا جتائیں

آخری شعر سے متعلق سودا نے ایک بقال کي نقل لکھي ھے - کوئي ""دیوال بند"" کسي بنئے کا مقروض تھا - ادائیگی قرض سے معذور ھو کر بالا خر اس نے ایک سبیل نکالي - دیوال بند نے ایک اُلو پھنسا کر اسي کلغي اور پیچغي سے مزین کیا اور ھاتھہ پر رکھکر بازار سے گذرا - اتفاقاً بنئے کي نظر پڑگئي؛ اُس نے پوچھا کیا ھے؛ انہوں نے جواب دیا باز ھے -

پھر وہ لگا پوچھنے کہہ تو وہ جیلوے ھے کیا

ان نے کہا دودھ بھات کچھہ نہ اس کے سوا

مزید تعریف سن کر بنئے نے مول بھاؤ کیا اور رات میں اپني بیوی ""پربھاوتي"" سے یوں گویا ھوا -

کرنے لگا جورو سے رات کو یہ مصلحت

سنتی ھے پربھاوتي اس میں ھے کیا تیري مت

پیسے میرے کرج ھیں ایک سپاھي کے پاس

اس سے نکد ملنے کي اب نہیں مجھکو ھے آس

باج بڑا ھی سا ایک دیکھا میں اسکے کنے

اس کو کھریدوں میں اب کال گو جو وہ بنے

بولی بنیئي یہ سن ادت تجھے کھبر ھے

اسکي رسوئي ھے ماس اس سے ھمیں بیر ھے

سنکے کہا بنئے نے کے کہي تونے یہ بات

ناہ رے پربھاوتی رام کیسوں دودھ بھات

غرض کہ پربھاوتي نے بھي رضا دیدي - ساھو جي ""داب بغل میں بھي کان پر رکھہ کر قلم"" مرجا جی کے یہاں پہونچے؛ قرض کا تقاضا کیا؛ مقروض نے لیت و لعل شروع کي بنئے نے باج کے عوض بھر پائي لکھدینے کی شرط پیش کی جو ایک مختصر قیل و قال کے بعد منظور کرلیگئي - یہ اُلو گھر لائے؛ پربھاوتي نے کہا؛

دیکھ کے اُن نے کہا اوت تجھے ہے ملوم
یہ تو جناور ہے وہ ترک کہیں جسکو بوم

آخر میں ساھو جی "سر اور توند" کو پیٹ کر بیٹھ رہے اور اس خیال سے کہ شاید کوئی اور اُلو پھنسے اسے "کھونٹی پہ" باندھ دیا اور جو کوئی جنس وغیرہ کے متعلق کچھ دریافت کرتا یہ بالتزام کہتے :-

سب ہے دیا رام کی یہ بھی ہے اُلو بھی ہے

اس مصرعہ کو مرزا نے "فدوی" پر چسپاں کیا ہے ؟ یعنے تخلص کے ساتھ نام جتانے کی مثال بننے کی ہے -

ایک دوسرے مقام پر کسی (نام نہاد) درویش نے زیارت کعبہ کا ارادہ کیا ہے - اس کا قصہ سودا کی زبان سے سنئے :-

بجز تسبیح رہتے تھے وہ نے کل — مصلّے پر سے اُٹھتے تھے نہ اک پل
مریدوں کی ہوئیں پر نور عینین — کیا جب اُن کے سرمہ خاک نعلین
بلا شک اس کا جنت میں ہو ماوا — اتھاوے جو انھوں کا آفتابا
جہاں وہ گاڑ دیتے اپنی مسواک — لگے تھے ناسپاتی سیب اور تاک
سوار اپنے ہوئے مرکب پہ یہ جب — مرید اُن کے ہوئے گرد آن کے سب
اُٹھا ہر اک کے عہدہ کو ہوا ساتھ — عصا کوئی کوئی لے مورچھل ساتھ
کوئی لے پیکدان اور کوئی رومال — کوئی حضرت کے آگے کوئی دنبال
مصلا کوئی سر پر رکھ کے اُسدم — چلا صلوات پڑھتا شاد و خرم

سودا بھی ہمراہ ہیں؟ راستہ میں رہزنوں نے قافلہ لوٹ لیا -

کروں کیا آگے اب غارت کی تصریح — نہ تھے جز دانہ ہائے اشک تسبیح
نہ زاد راہ پاس اُن کے نہ مرکب — اب ان سے عزم کعبہ کا بندھے کب
توکل پر چلیں کعبہ یہ کیا ذکر — انھیں اسباب کی اپنی پڑی فکر
کبھی عمامہ کے جانے کا مذکور — کبھو تھا فکر پیراھن سے دل چور
سلیمانی کی گھہ یاد آتی تسبیح — ہوئی جاتی تھی جسکے غم سے تشریح

کبھو کہتے مصلا تھا چکن کا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ جس پر تھا چکن کار دکن کا
کبھو کہتے کہ یارو کیا عصا تھا ‌ ‌ ‌ ‌ بڑے حضرت کے میرے ہاتھہ کا تھا
کہا کیا پٹکا تھا میری کمر کا ‌ ‌ ‌ ‌ سفر در پیش آیا یہ کدھر کا
عقیق سُرخ کا جو ناسداں تھا ‌ ‌ ‌ ‌ اگر بکتا تو قیمت میں گراں تھا

آخر کار سودا سے مشورہ کیا گیا؟ انھوں نے کہا :—

چلو گے گھر کو تم اپنے کس اسلوب ‌ ‌ ‌ ‌ ہے اس سے قصد اودھر کا کہیں خوب
کہا حضرت نے سنکر تم ہو گمراہ ‌ ‌ ‌ ‌ نہیں مسئلے مسائل سے کچھہ آگاہ
حرم کا فرض ہے مقدور پر طوف ‌ ‌ ‌ ‌ گیا یاں مال آگے جان کا خوف
مرید از بس تھے گھر چلنے پہ مائل ‌ ‌ ‌ ‌ کہا سودا سے باہم ہوکے یکدل
سخن حضرت ہمارے کا ہے معقول ‌ ‌ ‌ ‌ یہیں سے حج انھوں کا ہوگا مقبول
ہوئے تھے صبح جس منزل سے راهي ‌ ‌ ‌ ‌ پھر آئے شام واں ہو کر تباهي

غرض کہ سودا کے کلام میں طعن یا ظرافت کا رنگ کسي نہ کسی حد تک ہر جگہہ نمایاں ہے - بعض قصائد میں تو ساری تشبیب اسي پر مشتمل ہے - ایک قصیدہ نواب سرفرازالدولہ حسن رضا خاں بہادر کي مدح میں ہے؟ مطلع کتنا شوخ اور شگفتہ ہے اور کس درجہ سودا کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے -

صباح عید ہے اور یہ سخن ہے شہرۂ عام
حلال دختر رز بے نکاح ؟ روزہ حرام

بعض اوقات ردیف اور قافیہ بھی اُن کي مشکل پسندي اور ظریفانہ جدت طرازی کا آئینہ ہوتا ہے - ایک قصیدہ کا قافیہ اور ردیف سنگ رنگ ڈھنگ ؟ تنگ رنگ ڈھنگ ؟ ڈھنگ رنگ ڈھنگ ہے - اِسي ردیف اور قافیہ میں ایک غزل بھی ہے - دوسرے قصیدہ میں لونت پونت؟ گونت؟ اکونت ؟ بھوکنت ؟ بھسمنت ، قافیے ہیں -

حضرت امام ثامن علی رضا صلوات اللہ علیہ کی مدح میں ایک قصیدہ

لکھا ہے، جس میں فاخر، مکین اور ان کے اُستاد پر کنایتًہ طعن کیا ہے :-

پکڑی جو لتورے نے کہیں کھیتی سے چڑیا
سمجھا کہ نہیں باز کوئی مجھسا کلاں گیر
یا شب کو بیا گھونسلے میں جگنو کو لاکر
جانے یہ دل اپنے میں کیا ماہ کو تسخیر
مصرعہ میں اگر پشہ معنی ہو قلمبند
زعم اپنے میں سمجھے ہیں کیا پیل کو زنجیر
سمجھیں ہیں کلام اپنا بہ از سورۂ یوسف
معنی جو ہیں سو خواب فراموش کی تعبیر
اُستاد کی ان کے ہے انہوں کو یہ نصیحت
لفظی نہ تناسب ہو تو کچھ مت کرو تحریر
اتنا تو تلازم رکھو الفاظ کا ملحوظ
بے پنجۂ و ناخن نہ لکھو دودہ کو تم شیر
جب تک کہ نہ منظوم ہو پاسنگ ترازو
باندھو نہ کبھی شعر میں تم لفظ شکم سیر
ملحوظ قرائن رکھو ہر آن نظر میں
مرجع ہو مونث تو ضمیر اُسکی ہو تذکیر

اس طعن و طنز کے بعد یوں گریز کی ہے ـ

سودا تجھے کیا سود جو ابنائے زماں کی
نافہمی و بے ربطی سے کرتا ہے تو تقریر
کر اس کی عوض مدح شہ ہر دوجہاں کی
تا عفو جرائم ترے طالع میں ہوں تحریر

مصحفی کا ایک شعر تھا ـ

شانہ پہ میرے مہر نبوت نہیں نہیں
کرتا میں صاف دعوی وحی و پیمبری

سودا نے اس شعر پر ہجو میں ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا جستہ جستہ اقتباس حسب ذیل ہے۔

یہ بات جو واہی تو بکا بند کر آنکھیں
اس حرف سے کیا پائے تری شاعری توقیر
تخفیص یہ تجھپر ہے نہیں شانہ پہ جسکے
ہو مہر نبوت کرے دعوی بہ مواہیر
گر عمر طبیعی کو بھی پہونچے تو یقین ہے
پہونچے نہ بلاغت کو تو نابالغوں کے پیر
اے مصحفی جانے ہے تو اپنا جسے دیوان
نفرین خلائق کی ہے گویا کہ وہ جاگیر

کہیں مصحفی نے کہدیا تھا کہ سودا کی صرف اُردو (زبان) صاف ہے ورنہ مضمون کا کہیں گذر نہیں اس کا (انوری ہند) سودا نے جواب دیا ہے۔

کیا سہل سمجھتا ہے تو اُس صاف زبان کو
گر سات جنم لیوے تو بالفرض ز تقدیر
ویسا نہ ہو یک لفظ زبان سے ترے جاری
پیدا کرے ہرگز نہ ترا نطق وہ توقیر
ہر ایک کو حصہ ہے دیا اُس کے مناسب
قسام نے قسمت کی جو تقسیم کی جاگیر
جس جس کسی کا حوصلہ ظرف تھا جتنا
اُتنا ہی اُسے بادۂ حکمت سے کیا سیر
تجھکو دئے یکسر خزف اس کو گہر و لعل
اور اُس کو دیا آب بقا تجھکو گل قیر

سودا کے بعد انشا اور مصحفی کا نمبر آتا ہے۔

اُردو طنزیات کی خوش نصیبی سمجھئے یا بدنصیبی ؟ اس کا عروج لکھنئو میں ہوا – دھلي پر خزاں طاری تھي ، اور لکھنئو گہوارہ بہار – دھلي کے نوحہ خواں اگر لکھنئو میں زمزمہ سنج نظر آئیں تو محل تعجب نہیں دلی والوں کا ٹھکانا اُس وقت لکھنئو تھا – سودا ، انشا ؟ مصحفي ؟ میر ؟ سب نے "پورب کے ساکنوں" کي پناہ پکڑی دلي کے بجائے لکھنئو کے کوچے "اوراق مصور" نظر آنے لگے –

انشا اور مصحفي کي چشمکوں سے اُردو کا ایک معمولي طالب علم بھي واقف ھے اس لئے اُن کا تذکرہ غیر ضروری ھے تاھم؟ ان کے کلام کا تذکرہ کرنے سے پہلے مصنف آب حیات کے ان فقروں کو ملحوظ رکھنا چاھئے –

"شہرستان تجارب کے سیر کرنے والے جانتے ھیں کہ جب رواج عام کا راجہ ھولي کھیلتا ھے تو بڑے بڑے معقول وضع دار اشخاص اس کی چھینٹیں فخر سمجھکر سر و دستار پر لیتے ھیں – پس وہ (سید انشا) اور اُن کے معاصر ملک چھوڑ کر کہاں نکل جاتے – یہیں رھنا تھا اور انہیں لوگوں میں رہ کر گذران کرنی تھي – "

ایک جگہہ اور فرماتے ھیں –

"وقت حاکم جابر ھے اور پسند عام اُس کا واضع قانون ھے – اُس وقت شاہ و امرا سے لے کر گدا اور غربا تک انہیں باتوں سے خوش ھوتے تھے اور قدر داني یہ کہ ادنی ادنی نظموں پر وہ کچھہ دیتے تھے جو آج کل کے مصنفوں کو کتابوں پر نصیب نہیں ھوتا – سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے – پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینکدیتے – ھنگامہ ھستي کے جواں مرد اسے بھي ایک قسم کا کمال سمجھتے ھیں کہ کسي رستہ میں درماندہ نہ رھیں – "

اسي سلسلہ میں ایک واقعہ کا بھي تذکرہ کیا ھے –

ایک شعر پر سید انشا اور شیخ مصحفي میں شکر رنجي ھوگئي

اور طبیعتوں کی شوخی نے زبانوں کی بے باکی کے ساتھہ ملکر بڑے بڑے معرکے کئے ۔ اس وقت آصف الدولہ شکار میں تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لکھنؤ میں نہ ہونے پر ہزاروں افسوس کئے اور بڑے اشتیاق سے ان ہجوؤں کو منگا کر سنا اور اِنعام بھیجے ۔ فی الحقیقت ایک ایک مصرعہ ان کا، ہنسی اور قہقہوں کا منتر ہے ۔ لیکن آج اگر انھیں کوئی لکھہ بھی دے تو عدالت یا انصاف میں مجرم ہو کر جواب دہی کرنی پڑتی ہے " ۔

سودا، مصحفی اور انشا کی طنزیات، دربار اودھ میں عروج کو پہونچ چکی تھیں لیکن زمانہ کا رنگ دیکھئے، بقول مصنف آب حیات :۔

"مرزا رفیع کی ہجویں ان کی کلیات میں موجود ہیں مگر شیخ مصحفی، سید انشا کی ہجویں فقط چند بڈھوں کی زبانوں پر رہ گئی ہیں ۔ جن کی نظمِ حیات، عنقریب نثر ہوا چاہتی ہیں ۔"

اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ صرف سودا ہی کا کلام ایسا تھا جو سال و سنین کا بار اُٹھا سکتا تھا ۔ دوسروں کی ہجویں صرف وقت کی چیزیں تھیں اور اسی وقت گِھس پس گئیں ۔

شیخ مصحفی، مرزا سلیمان شکوہ کے کلام پر اصلاح دیتے تھے ۔ سید انشا لکھنؤ آئے تو اُنھیں کا دور دورہ ہوا ۔ شیخ اور سید کے آیندہ معرکوں کی بنیاد یہی تھی ۔اکثر غزلوں میں دونوں با کمال، دادِ سخن دیتے تھے اور موقع موقع سے ایک دوسرے پر چوٹ بھی کر جاتے تھے ۔ شیخ مصحفی نے ایک جلسہ میں غزل پڑھی جس کا مطلع یہ تھا ۔

تھا مصحفی یہ مائلِ گریہ کہ پس از مرگ
تھی اُس کی، دھری چشم پہ تابوت میں، انگلی

اسي طرح ميں سيد انشا کا ایک شعر تھا ۔

دیکھه اس کي پڑي خاتم یاقوت میں انگلي
هاروت نے کی دیدۂ ماروت میں انگلي

جلسه ختم هونے کے بعد بے فکروں نے ان غزلوں میں خوب خوب جدّت طرازیاں کیں ۔ ایک شعر خصوصیت کے ساتھه قابل ذکر هے ۔

تھا مصحفی کانا جو چھپانے کو پس از مرگ
رکھے هوئے تھا آنکھه په تابوت میں انگلي

یه گویا طرفین میں "فساد" کا آغاز تھا ۔ مصحفی کو اس کی خبر ملی تو اُنھوں نے ایک فخریه غزل تصنیف کي ، جس کے چند اشعار درج ذیل هیں ۔

اک طرفه خر سے کام پڑا هے مجھے که هائے
سمجھے هے آپ کو وہ مسیحائے شاعري
اے مصحفی ز گوشۂ خلوت بروں خرام
خالي است از برائے تو خود جائے شاعری
هر سفله را زبان و بیانِ تو کے رسد
آرے توئی فغاني و بابائے شاعري

انشا نے اُس کے جواب میں هجو کی ایک بحر طویل کهه ڈالي ۔ جس کا اقتباس یہاں کچھه ضروري نہیں معلوم هوتا ۔ اسي زمانه میں ایک مشاعرہ هوا ۔ مصحفي نے بھي کچھه اشعار لکھے ، طرح حور کي گردن ، مخمور کي گردن ، رنجور کي گردن تھي ۔ سید انشا نے چند اعتراضات کئے ، ساتھه هي ایک قطعه ، هجو میں بھی پیش کر دیا ۔ کہتے هیں " مصحفي مسّي ملا کرتے تھے اس لئے دانت سیاہ تھے ، وہ بھي کچھه هلتے تھے ، کچھه گر پڑے تھے اور بڑھاپے نے اور شکل بگاڑ دي تھي " انشا کي نظم کے چند اشعار حسب ذیل هیں ۔

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ ' غزل کو بنائیے
ایسے نجس ' کثیف ' قوافی سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے
سرکار کی یہاں نہیں گلنے کی دال کچھ
روٹی جو کھانی ہوئے تو پنجاب جائیے
خشکا گدھوں کو دیجئے لوزینہ گاؤ کو
واں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

مصحفی نے بھی اس کا جواب دیا - فیصلہ مصنف آب حیات کی زبان سے سنئے -

"بے شک عام لطف بیان اور خاص طنزوں کے نشتر ' سید انشا کی ترجیح کے لئے سفارش کریں گے......"

مصحفی کا آفتابِ عمر و دولت ' لبِ بام تھا - لیکن اُستاد کی رفاقت میں شاگردوں نے عَلم جنگ بلند کیا - ان میں ایک شاگرد ' گرم تخلص کرتے تھے اور دوسرے منتظر' سید انشا نے مشاعرہ میں ایک شعر پڑھا -

آئینہ کی گر سیر کرے شیخ تو دیکھے
سرِ خرس کا ' منہہ خوک کا ' لنگور کی گردن

منتظر نے بھی غزل میں انشا پر چوٹ کی' ایک مصرعہ تھا -

باندھے دمِ لنگور میں لنگور کی گردن

یہ اشارہ تھا انشا کے ایک مخصوص طرزِ لباس آرائی کی طرف - سید انشا اکثر دوپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے رہتا تھا - سید انشا نے ایک دوسرا شعر برجستہ کہا -

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو
سر لون کا ' منہہ پیاز کا ' امچور کی گردن

یہ کشا کش طوالت پکڑتی گئی ۔ سید انشا اور مصحفی دونوں اپنے اپنے بوتے اور بساط کے مطابق ، فحاشی اور مغلظات پر اُتر آئے۔نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر اور گرم نے شہدوں اور لچوں کو اُکسایا ۔ سید انشا کو ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے یہ پورا لشکر روانہ ہوا۔ سید نے کمال فرزانگی سے اِس آفتِ ناگہانی کو رفت گذشت کر دیا ۔ لیکن اُس کے بعد انشا نے جواب ترکی بہ ترکی دیا ۔ مصنف آبِ حیات نے اُس کا نقشہ یوں کھینچا ہے :۔

"لیکن پھر سید انشا نے جو اس کا جواب حاضر کیا وہ قیامت کا تھا، یعنے ایک انبوہ کثیر ، برات کے سامان سے ترتیب دیا اور عجیب غریب ہجویں تیار کر کے لوگوں کو دیں ، کچھ ڈنڈوں پر پڑھتے جاتے تھے ، کچھ ہاتھیوں پر بیٹھے تھے ، ایک ہاتھہ میں گڈا ایک میں گڑیا ، دونوں کو لڑاتے تھے، زبانی ہجو پڑھتے جاتے تھے جس کا ایک شعر یہ ہے

سوانگ نیا لایا ہے دیکھنا چرخ کہن

لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن"

انشا اور مصحفی کی ہنگامہ آرائیوں پر آزاد کا قول فیصل یہ ہے :۔

"سید انشا کی طبیعت کی شوخی اور زبان کی بیباکی ، محتاج بیان نہیں ۔ بہت سی رذل اور فحش ہجویں لکھیں کہ جن کا ایک ایک مصرعہ ، ہزار تسچی اور چابک کا طراقا تھا۔ بڈھا بیچارہ بھی اپنی شیخی کی جریب اور عصائے غرور کے سہارے سے کھڑا ہوکر جتنا کمر میں بوتا تھا مقابلہ کرتا رہا ۔"

سید انشا کے بارہ میں مولوی عبدالباری صاحب ، آسی نے اپنی مشہور تصنیف "تذکرۂ خندۂ گل" میں فرمایا ہے ۔

"...... وہ خِلقۃً نہایت ظریف ، ہشاش بشاش واقع ہوئے تھے ۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر یا نوابی دربار کی

مصاحبت کی وجہ سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی ۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے ۔ اب دیوان کو دیکھئے تو ضرورت اور بے ضرورت ، جا اور بے جا، سب جگہہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے ...... حقیقت یہ ہے کہ انشا ، ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ ظرافت ہی کہئے، تب بھی اُن کا علم و فضل اُتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے ۔ اُن کی ظرافت کے اقسام گنانا ، ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے ۔ جو شخص بات بات میں ظرافت کے دریا بہائے کوئی کہاں تک اس کا اندازہ کر سکتا ہے - پھر بھی ریختی کو اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے ۔ "

طنزیات کے ذیل میں اگر ریختی کو بھی داخل کر لیا جائے تو اس سلسلے میں رنگین ، انشا اور جان صاحب خصوصیت کے ساتھہ مشہور ہیں - ان کے کلام (ریختی) کا جستہ جستہ اقتباس (از تذکرۂ خندۂ گل مجولۂ صدر) نذر ناظرین ہے ۔

میرزا سعادت یار خاں، رنگین :-

کروں میں کہاں تک مدارات روز
تمھیں چاھئے ہے وھی بات روز

گئے ہیں مرے گھر میں سب تجھہ کو تاڑ
کیا کر نہ رنگیں ، اشارات روز

مجھہ کو اُس بات کا نہیں ھوکا
بلدی رکھنی ہے گاہ گاہ کا شوق

گر کہے گی مجھسے کچھہ منہہ پھوڑ کر باجی تو پھر
تھنڈی کرڈالونگی میں ہاتھونکی ساری چوڑیاں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو
چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کر لو
یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تجھسے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھہ دکھہ ہی نہ تھا
ہاتھہ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
بولے وہ آؤگے کب میں نے تب ان سے یہ کہا
بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی

ہر مہینے میں کوہاتے تھے مجھے پھول کے دن
بارے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی
اتنا اتراتی ہے جوبن پر ددا کس واسطے
ریختی کہلی اجی رنگیں کی یہہ ایجاد ہے
منہہ چڑاتا ہے موا انشا ؔ جیا کس واسطے

سید انشا اللہ خاں ؔ انشا ـ

مجھہ سے نہ اُرؔ زناخی تو رات کو کہیں تھی
چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی مَلی دلی کا

ہاتھوں سے تھری میں تو کمبخت عاجز آئي
جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ھلبلي کا

تھام تھام اپنے کو رکھتي میں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا میرا اندر والا

کچھہ تجھے شرم بھي ہے بیٹھہ پرے او کمبخت
تاڑ جاوینگے بڑے لوگ ارے او کمبخت

کوئي چاھت میں کسي شخص کے بدنام ھو نوج
اے ددا جان وہ کمبخت برا کام ھو نوج
مردوا مجھسے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ھو نوج
دن دھاڑا ھي رہے ؟ جي تو بچے اے انشا
کلموھي کالي بلا ھائے وہ پھر شام ھو نوج

باجي تم چاھتي ھو بندی سے جیسا اخلاص
اجي دو کواریوں میں نوج ھو ایسا اخلاص

پھر جو کچھہ بول اُتھوں میں تو یہ طعنے دوگے
قہر ایسا نہ کرو تم ابھي بن بیاھي ھو

میر علی یار جان (جان صاحب)

وہ تھے اُستاد، اُن سے جان صاحب تجھکو کیا نسبت
کیا پر نام روشن ریختی نے تیري نسبت کا

چھپکے رہنے میں تھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

مردوے کھاتی ہوں میں تھسوں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئي ہوں میں جو اکبار کہیں
جا کے سسرال میں دولھا سے صنم خانم تم
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

نہ دیکھہ دولھا کو ساس نندوں کے آگے گھونگٹ اُٹھا اُٹھا کر
نگي نویلي دلھن ہے بچي ابھی تو دو چار دن حیا کر

نامرد ہے؟ نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے؟ بوا سال بھر ہوا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان صاحب کي
وہ اسکي شکل کیا ہے اے بوا قربان کي صورت

نہ جاؤ تم؟ پڑو چولھے میں؟ بھیجو میرے بھائي کو
لگے ہیں درد؟ مرتي ہوں؟ بلا لائے وہ دائي کو

بامھن یہ مجھسے کہتا ہے پوتھي بچار کے
پھندے میں تم پھنسوگی بس اب تین چار کے

اُس کے بعد غالب کے ''باغ و بہار'' رقعات سامنے آتے ھیں - جہاں تک نثر اُردو کا تعلق ھے برجستہ اور بے تکلف ظرافت کے اولین نمونے ھم کو غالب کے رقعات میں ملتے ھیں - طنز اور ظرافت کی داغ بیل ؛ سب سے پہلے اُردو نثر میں غالب نے ڈالی اور یہ پیش خیمہ تھا ''اودھ پنچ'' کی زعفران زار نظم و نثر کا ؛ جس کا تذکرہ آیندہ صفحات میں آئے گا -

رقعات غالب —

''پیر و مرشد ! ۱۲ بجے تھے - میں ننگا اپنے پلنگ پر لیٹا ھوا حقہ پی رھا تھا کہ آدمی نے آ کر خط دیا؛ میں نے کھولا؛ پڑھا ؛ بھلے کو انگرکھا یا کرتا گلے میں نہ تھا - اگر ھوتا تو میں گریبان پھاڑ ڈالتا - حضرت کا کیا جاتا؛ میرا نقصان ھوتا........پانچ لشکر کا حملہ پے بہ پے اس شہر پر ھوا ؛ پہلا باغیوں کا لشکر ؛ اس میں اھل شہر کا اعتبار لٹا - دوسرا لشکر خاکیوں کا ؛ اس میں جان و مال و ناموس و مکان و مکین و آسمان و زمین ؛ آثار ھستی سراسر لٹ گئے - تیسرا لشکر کال کا ؛ اس میں ہزارھا آدمی بھوکے مرے - چوتھا لشکر ھیضے کا ؛ اُس میں بہت سے پیٹ بھرے مرے - پانچواں لشکر تپ کا ؛ اُس میں تاب و طاقت عموماً لٹ گئی - ''

مرزا علاءالدین خاں کے نام -

''سنو عالم دو ھیں ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل...... ھر چند قاعدۂ عام یہ ھے کہ عالم آب و گل کے مجرم ؛ عالم ارواح میں سزا پاتے ھیں - لیکن یوں بھی ھوا ھے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ھیں - چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ ھجری کو مجھ کو روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا - ۱۳ برس حوالات میں رھا - ۱۷ رجب

۱۲۳۵ هجري کو میرے واسطے حکم دوام حبس صادر ہوا ؟ ایک بیڑي میرے پاؤں میں ڈال دي اور دلي شہر کو زندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈالدیا - نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا - برسوں کے بعد میں جیل خانہ میں سے بھاگا ؟ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا پایان کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسي محبس میں بٹھا دیا جب دیکھا کہ یہ قیدي گریز پا ہے ؟ دو ہتکڑیاں اور بڑھادیں ؟ پاؤں بیڑیوں سے فگار ؟ ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار ؟ مشقت مقرری اور مشکل ہوگئي - طاقت ؟ یک قلم زائل ہوگئي - بیحیا ہوں سال گذشتہ بیڑي کو زاویہ زندان میں چھوڑ ؟ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا........کہ پھر پکڑ آیا - اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا - بھاگوں کیا ؟ بھاگنے کي طاقت بھی تو نہ رهي - حکم رهائي دیکھئے کب صادر ہو - ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسي ماہ ذالحجہ ۱۲۷۷ هجري میں چھوٹ جاؤں' بہر تقدیر بعد رهائي کے تو آدمي سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا - میں بھي بعد نجات ؟ سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤں گا - ››

›› میاں ! کس حال میں ہو ' کس خیال میں ہو - کل شام کو میرن صاحب روانہ ہوئے - یہاں ان کي سسرال میں قصے کیا کیا نہ ہوئے - ساس اور سالیوں نے اور بي بي نے آنسوؤں کے دریا بہا دئے - خوشدامن صاحبہ بلائیں لیتي ہیں - سالیاں کھڑي ہوئي دعائیں دیتي ہیں - بي بي مانند صورتِ دیوار چپ - جي چاہتا ہے چیخنے کو مگر ناچار چپ - وہ تو غنیمت تھا کہ شہر ویران ' نہ جان نہ پہچان ورنہ همسایہ میں قیامت برپا ہوجاتي - ہرایک نیک بخت اپنے گھر سے دوڑي آئي - امام ضامن علیہ السلام کا روپیہ بازو پر باندھا - ۵ روپئے خرچ راہ دئے مگر ایسا جانتا ہوں کہ میرن صاحب

اپنے جد کی نیاز کا روپیہ ، راہ ہی میں اپنے بازو سے کھول لیں گے اور تم سے صرف پانچ روپیے ظاہر کریں گے - اب سچ جھوٹ تم پر کھل جائے گا۔ ۔ ۔ ۔ ''۔

''سید صاحب اچھا ڈھکوسلا نکلا ہے، بعد القاب کے شکوہ شروع کردینا۔ حضرت کا پتہ نہیں - ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔ برسات کا نام آگیاسو پہلے تو مجملاً سنو ؟ ایک غدر کا لوں کا ، ایک ہنگامہ گوروں کا ؟ ایک فتنہ انہدام مکانات کا ، ایک آفت وبا کی ، ایک مصیبت کال کی - اب یہ برسات ، جمیع حالات کی جامع ہے - آج اِکیسواں دن ہے، آفتاب اِسطرح نظر آجاتا ہے جسطرح بجلی چمک جاتی ہے - رات کو کبھی کبھی اگر تارے دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُنکو جگنو سمجھہ لیتے ہیں مبالغہ نہ سمجھنا ، ہزارہا مکان گر گئے ، سیکڑوں آدمی ، جا بجا دب کر مرگئے - گلی گلی ندی بہہ رہی ہے - قصہ مختصر وہ اَنّ کال تھا کہ مینہ نہ برسا ، اناج نہ پیدا ہوا - یہ پن کال ہے، پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہ گئے..........

''...سنو صاحب! شعرا میں فردوسی، اور فقرا میں حسن بصری، اور عشاق میں مجنوں، یہ تین فن میں سر دفتر اور پیشوا ہیں - شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے - فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے - عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو - لیلیٰ اس کے سامنے مری تھی، تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری بلکہ تم اس سے بڑھکر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری معشوقہ تمہارے گھر میں مری - بھئی! مغل بچے بھی غضب ہوتے ہیں جس پر مرتے ہیں اُسکو مار رکھتے ہیں - میں بھی مغل بچہ ہوں - عمر بھر میں ایک بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو میں نے بھی مار رکھا ہے - خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی ......''

''مرزا صاحب! ہم کو یہہ باتیں پسند نہیں ۶۵ برس کی عمر ہے -

پچاس برس عالمِ رنگ و بو کی سیر کی ہے ۔ ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے نصیحت کی ہے کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں، ہم مانع فسق و فجور نہیں ۔ پیو کھاؤ مزے اڑاؤ ۔ مگر یہہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی نہ بنو ۔ میرا اِس نصیحت پر عمل رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے ۔ کیسی اشک فشانی، کہاں کی مرثیہ خوانی، آزادی کا شکر بجا لاؤ ۔ غم نہ کھاؤ اور اگر ایسے ہی اپنی گرفتاری سے خوش، ہو تو چنا جان نہ سہی منا جان سہی ۔ میں جب بہشت کا تصور کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ اگر مغفرت ہو گئی ۔ ایک قصر ملا اور ایک حور ملی ۔ اقامت جاودانی ہے اور اِسی ایک نیک بخت کے ساتھہ زندگانی ہے ۔ اِس تصور سے جی گھبراتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔ ہے ہے وہ حور اجیرن ہوجائیگی ۔ وہی زمردیں کاخ اور وہی طوبیٰ کی ایک شاخ، چشم بدور وہی ایک حور، بھائی ہوش میں آؤ کہیں اور دل لگاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''

'' وہ مزے یاد آگئے کیا کہوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں

تا دسترسم بود زدم چاک گریباں + شرمندگی از خرقہ پشمینہ ندارم

جب داڑھی مونچھہ میں سفید بال آگئے تیسرے دن چیونٹی کے انڈے گالوں پر نظر آنے لگے ۔ اس سے بڑھکر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے ناچار مسی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی ۔ مگر یہ اور کہئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک وردی ہے عام، ملا، حافظ، بساطی، نیچہ بند، دھوبی، سقہ، بھٹیارہ، جولاہہ، کنجڑہ منہہ پر ڈاڑھی سر پر بال ۔ فقیر نے جس دن ڈاڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ''

اودھ پنچ (لکھنئو) نے سنہ ۱۸۹۷ع میں "زبان اور ظرافت کے چہرہ سے نقاب اُٹھائی" اودھ پنچ کے اوردوں میں سے منشی سجاد حسین، پنڈت رتن ناتھہ سرشار، مرزا مچھو بیگ ستم ظریف، پنڈت تربھون ناتھہ ھجر، نواب سید محمد آزاد، مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز، منشی جوالا پرشاد برق، منشی احمد علی شوق، سید اکبر حسین، مولوی احمد علی کسمنڈوی کا نام خصوصیت کے ساتھہ لیا جاتا ھے اس میں شک نہیں کہ پنچ، ظرافت کا علمبردار تھا اور ظرافت کے اس بے پناہ آلہ نے زندگی کے کسی شعبہ کو اپنے وار سے محفوظ نہ رکھا ۔ اُردو ادب میں اودھ پنچ، اپنے قسم کا اولین پرچہ تھا اور اکثر حیثیت سے وہ ظرافت و طنزیات کے رائج الوقت معیار کا بہترین ترجمان تھا، اس سلسلے میں بے موقع نہ ھوگا اگر پنڈت برج نرائن، چکبست آنجہانی کے وہ خیالات بھی ھدیۂ ناظرین کئے جائیں جو گُلدستۂ پنچ میں شایع ھوئے ھیں ، فرماتے ھیں :۔

اودھ پنچ لکھنئو کا عہد

"قوموں کے مذاق سلیم نے جو ظرافت کا اعلیٰ معیار قائم کیا ھے اس کو دیکھتے ھوئے ھم اودھ پنچ کی ظرافت کو بحیثیت مجموعی اعلیٰ درجہ کی ظرافت نہیں کہہ سکتے ۔ لطیف ظرافت اور بذلہ سنجی و تمسخر میں بہت فرق ھے ۔ اگر لطیف و پاکیزہ ظرافت کا رنگ دیکھنا ھے تو اُردو زبان کے عاشق کو غالب کے خطوں پر نظر ڈالنا چاھئے .... اودھ پنچ کے ظریفوں کی شوخ و طرار طبیعت کا رنگ دوسرا ھے ۔ اُن کے قلم سے پھبتیاں ایسی نکلتی ھیں جیسے کمان سے تیر .... جو مظلوم ان تیروں کا نشانہ ھوتا ھے روتا ھے اور دیکھنے والے اس کی بیکسی پر روتے ھیں ۔ ان کے فقرے دل میں ھلکی سی چٹکی نہیں لیتے ھیں بلکہ نشتر کی طرح تیر جاتے ھیں ۔ ان کا ھنسنا، غالب کی زیر لب مسکراھت

سے الگ ہے - یہ خود بھی نہایت بے تکلفی سے قہقہے لگاتے ہیں اور دوسرے کو بھی قہقہے لگانے پر مجبور کرتے ہیں - ؟؟

یہ سب صحیح' لیکن اُس عہد کو مد نظر رکھئے جب اودھ پنچ' عالم وجود میں آیا ؟ اُردو کس رنگ میں تھی؟ اُردو لکھنے والے کس رنگ کے تھے؟ وہ فضا کیا تھی'سوسائٹی کا کیا رنگ تھا' پنچ پھر پنچ تھا اسپکٹیٹر نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا' بایں ہمہ پنچ کے علمبرداروں میں ہر قسم کے لوگ تھے- وہ لوگ بھی تھے جو خود قہقہہ لگاتے تھے اور دوسروں کو بھی قہقہہ لگانے پر مجبور کرتے تھے اور ایسے افراد بھی تھے جن کو ایک طرف مسکرانے میں بھی تامل ہوتا تھا لیکن دوسری طرف سننے اور دیکھنے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے ان واقعات اور حالات کو دیکھتے ہوئے' جن کے ماتحت اودھ پنچ عالم وجود میں آیا ، یہ حکم لگانا یقیناً قرین انصاف ہے کہ اودھ پنچ نے بحیثیت مجموعی اچھی اور ہر قسم کی طنز اور ظرافت کا نمونہ پیش کیا - قہقہہ لگانا ، یا محض تبسم زیر لبی پر اکتفا کرنا ؟ یا ایسا کرنے پر مجبور ہونا ؟ ظرافت یا طنز کی نوعیت پر اتنا منحصر نہیں ہے ، جتنا یہ چیزیں خود پڑھنے یا سننے والے کے ذوق اور ظرافت طبع پر منحصر ہیں- ایک پر لطف یا معنی خیز فقرہ پر بد مذاق ایسے بے ہنگام قہقہے لگا سکتا ہے جس سے بقیہ لطف اندوز ہونے والے' ہمیشہ کے لئے ہنسنے بولنے سے تائب ہو جائیں دوسری طرف ایک صاحب ذوق اس طور پر مزے لے سکتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو - اکبر اور آزاد کے ادبی کارنامے' اس نظریہ کی بطریق احسن ترجمانی کرتے ہیں-آزاد پھر بھی کبھی کبھی کھل کھیلتے تھے لیکن اکبر کے قدم کو کہیں ایسی لغزش نہیں ہوئی اور ہوئی بھی ؟ تو وہ جائز حدود سے آگے نہیں بڑھی -

پنچ کا یہ دور بالکل قدرتی تھا - مغربیت کا سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا - مشرق کو زوال نصیب ہو چکا تھا - اس لیے طبایع ہر اس

چیز سے بیگانہ یا متنفر تھیں جس میں مشرقی آب و رنگ کی جھلک ہوتی - دوسری طرف ہر اُس چیز کو قبول کرنے کے لیے آمادہ تھیں جن میں مغرب کی چاشنی ہوتی - پنچ نے ایک طرف اُن حیثیات سے بغاوت کی جو مشرق کے لیے باعث ننگ اور اس کی تباہی کا موجب تھیں - دوسری طرف اس نے اس کورانہ تقلید کے خلاف علم جہاد بلند کیا جس کی بنا پر لوگ دیوانہ وار مغرب کی پذیرائی اور پرستش کر رہے تھے- س میں شک نہیں بعض مواقع پر مثلاً گلزار نسیم کا مناقشہ ایسا ہے جس کا مذاق سلیم بمشکل متحمل ہو سکتا ہے بایںہمہ محض خسوف و کسوف کی بنا پر مہر و ماہ کو، کب تاریک کہا جا سکتا ہے -

بقول مرتب گلدستہ پنچ، منشی محمد سجاد حسین (۱۸۵۶-۱۹۱۵ ع م-ش-ہ-ور آڈیٹر اودھ پنچ) نے، بلا کی شوخ طبیعت پائی تھی - بذلہ سنجی و ظرافت تو گویا مزاج کا خمیر تھی ""

مسٹر گلیڈ اسٹن کو لکھتے ہیں ("کھلے خط اور سر بستہ مضامین")

"مولوی گلیڈ اسٹن صاحب طولعمرہ - دعائے خیر نصیب شما باد ! ایسے زمانہ میں، جبکہ چارونطرف سے ہوائے شر و فساد، ہر ملک سے مسموم بغض و عناد کے جھونکے آ رہے ہیں تمہارے حق میں اس سے بڑھکر مناسب، دنیا میں شاید ہی کوئی اور دعا ہو.........اوپری لیس پوت کے واسطے تمہاری ذات مخصوص ہے - مگر اس کے لوازم اور مسالوں کی فراهمی اور ترکیب سے تم ایسے محروم جیسے هندوستانی، جودت سے - تم پولیٹکل دسترخوان کے اچھے خانساماں اور ہوشیار خدمتگار ہو - پکا پکایا کھانا، طیار هانڈی، تم خوبی سے چن سکتے ہو - مگر هانڈی

پکانے اور چیز تیار کرنے کے نام سے خاک دھول بکاٸن کے پھول - تم نہیں جانتے کہ طرح طرح کے کھانوں کے واسطے کون کون مسالا کیونکر پیسا اور ترکیب دیا جاتا ھے - کبابوں میں کس چیز سے گلاوٹ آتی ھے - پلاؤ کو دم کیسے دیتے ھیں - فارن پالیسی کا مزعفر اور متنجن' کیونکر خوشگوار چاشنی پیدا کرتا ھے - کہتے ھیں جو کوئی چھچھوندر مار ڈالتا ھے اُس کے ھاتھہ سے لذت جاتی رھتی ھے - شاید ایسا ھی ھوا ھو - مگر اب یہ ضرورت بےشک معلوم ھوتی ھے کہ پہلے اچھا باورچی اور رکابدار سب تیار کر لے - پھر دستر خوان لگانے اور خاصہ چلنے کے لیے تم بلائے جاؤ ''

,, پیارے کارسپانڈنٹ کا پیارا خط' پیارے سالے کے نام ''

,, میرے پیاری جورو کے عزیز بھائی '' خدا تم کو نیک راہ پر چلائے جس میں تمھاری بہن پژمردہ رھکر مجھکو پریشان نہ رکھا کریں - افسوس تمھاری بےکاری اور اس پر شادی کی خواستگاری - تمھاری بہن کو تو بڑی خوشی ھے کہ ایک پیاری' تربیت یافتہ بھاوج ملیگی مگر بھائی میں ایک سلہج ملنے کی آرزو میں سالے کو برباد کرنا پسند نہیں کرتا......رھی یہ بات کہ دنیا میں شادی ایک ضروری فعل ھے - خدا کی ودیعت اس سے بڑھتی ھے.......مگر یہ تو تب ھی ھونا چاھئے' جب پہلی کا وقت گذرا جاتا ھو اور دوسری میں فتور پڑتا ھو .. ..دو برس اور کالج نہ چھوڑو - بی - اے اور ایل ایل بی - پاس کر لو...... رات دن پڑھنے کی جگہہ' کچہری اور سونے کے کمرے میں اپنے اور بی بی دونوں کے پیٹ بھرنے کی کوشش کرو - دیکھو کیسا جلد دولت والے - گھر والے - خدا کی قدرت ظاھر کرنے والے - اس کی ودیعت بدیعت کے بڑھانے والے مشہور ھو جاؤگے - اور اس حالت میں تو مَیں ھرگز شادی کرنے کی صلاح نہ دونگا - تمھارے تو باپ کی بھی دولت نہیں ھے

اور ہوتی تب بھی میں باپ کی قوت پر شادی کی صلاح نہ دیتا "

"نیچر کا مارشل لا "

"........جس طرح ہماری سرکار، درندہ جانور پر، نر کی بہ‌نسبت مادہ مارنے سے دونا ڈیوڑھا انعام دیتی ہے کیونکہ وہ تو پیدائش کی جڑ ہے۔ اسیطرح حضرت عزرائیل نے عورتوں پر چھری پھیرنا شروع کر دی کہ نہ یہ ہونگی نہ انسان، برسات کے مینڈکوں کی طرح، گلی کوچوں میں کچھ کچا کے پیدا ہوگا، نہ مردم شماری کے نقشے آئے دن غلط ہوا کریں‌گے۔ آپ ایک دفعہ نقشہ بھر لیا۔ سو دو سو برس کو کافی ہے کبھی کبھی جانچ کرلی۔ فوتی فراری کا نام نکال ڈالا، یہ روز کا قلم جاری رہتا تو موقوف ہوگا "۔

پنڈت تربھون‌ناتھ سپرو، ہجر۔

محرم‌الحرام :—..........بھئی لکھنؤ کا بھی محرم یاد رہے‌گا۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ دنیا اور عقبیٰ دونوں کے فائدے۔ زیارتوں میں قندمکرر کی حلاوت۔ روحانی اور جسمانی دونوں لذتیں......بی حیدرجان کے سوز نے کیا کیا چھوتیں لی ہیں کہ واہ جی واہ۔ وہ رکھب گندھار لڑتی ہوئی ٹیپ کی تانیں تھیں کہ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ ایک ہی مصرعہ کی تقسیم میں ملتانی، سری راگ اور بھیرویں کی چھاؤں دکھائی دی اور پھر کیا مجال کہ پڑھتے وقت چہرے پر شکن آتی۔ ایسا گلے کا لوچ اور آواز میں سوز وگداز دیکھا نہ سنا....."

منشی جوالا پرشاد، برق (البرٹ بل)

".........پیارا بل ہاتھہ سے بے ہاتھہ ہوگیا ـ اس کی پیدائش پر کیا کیا ناز تھے ـ اس کے والدین نے اسے کیسے کیسے لاڈ سے پالا......... سوتیلی ماں کے پالے پڑا ـ ماں باپ ہاتھہ مل کر رہ گئے.........جن پر ہمیں بھروسا تھا، جو ہماری خیرخواہی کا دم بھرتے تھے، وہی دغا دے گئے ـ وقت پر نکل کھڑے ہوئے ـ کاندھا ڈالدیا ـ گویا ہم بیچو بیچ سمندر میں ایک ٹاپو پر اُترے تھے ـ کھانا پکایا دستر خوان بچھایا ـ جیسے ہی کھانے کو ہاتھہ بڑھایا کہ دفعتاً جزیرہ ہلنے لگا اور دم کے دم میں سب غڑاپ سے سمندر میں - افوہ دھوکا ہوا تھا - وہ جزیرہ نہ تھا - وھیل مچھلی کی پشت تھی........."

مغرب اور مغربیت کے خلاف، نواب آزاد نے جس معقول اور دلنشین پیرایہ میں طنز کی ہے اس کا جواب، بحیثیت مجموعی اردو ادب میں ملنا دشوار ہے - آزاد کی طنز و ظرافت میں جو چیز نہایت نمایاں اور بامزہ ہے وہ ان کی خلقی شگفتگی ہے - کینہ پروری اور زہر ناکی کا عنصر کہیں نمایاں نہیں ہے - اس اعتبار سے ان کو اُردو ادب کا ہوریس اور چاسر کہنا نا موزوں نہ ہوگا - آزاد نے ہندوستان کے سیاسی اور معاشرتی رجحانات پر نہایت جامع طریق سے اظہار خیال کیا ہے - ان کی طنز اور ظرافت، اتنی صحیح اور جامع، اور ادب و انشا کے صحیح معیار کی اس درجہ حامل ہیں کہ ان کے بقائے دوام پر دو رائیں ہونا تقریباً نا ممکن ہے - بایں‌ہمہ اس سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نواب آزاد کی تحریریں، اکثر کافی حد تک عریاں ہیں اور کہیں کہیں تبسم زیرلبی کے بجائے، دانتوں تلے اُنگلیاں بھی دبانی پڑتی ہیں ان کے مضامین کے جستہ جستہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

نواب سید محمد آزاد، آئی، ایس، او :—

نواب آزاد، اپنی عفت بیگم کو نئی روشنی کی تلقین فرماتے ہیں -

"میں تو یہاں پڑھنے آیا ہوں - مگر کیا خاک کتاب دیکھوں کوئی آن، کوئی وقت، کوئی لحظہ بھی تو آئینۂ خیال کسی پری‌وش کے جلوہ سے خالی نہیں رہتا- جب کسی فرنگن کی واترسلک کی گون پر آنکھہ پڑ جاتی ہے - مجھے تمہارا گرنٹ کا پائجامہ کس نفرت سے یاد آتا ہے - جب کسی کی میم کو دوسرے صاحب کے ساتھہ بے تکلفانہ ناچتے کودتے دیکھتا ہوں، تمہاری شرم ایک تیر کی طرح دل کے پار ہوجاتی ہے - جب کسی معزز لیڈی کو بیف کے ٹکڑے پر ہاتھہ صاف کرتے دیکھتا ہوں تمہارا چپاتیوں کو حنائی انگلیوں سے کھٹکنا یاد آتا ہے اور کیا جی گھبراتا ہے.........یہاں کی عورتیں، واللہ عورتیں نہیں ہیں تمہارے لکھنؤ کی بیگمیں نہیں ہیں کہ بھوت کا قصہ سنکر ڈریں، شیر کے نام سے کانپ جائیں - توپ کے آواز سے تھر تھرانے لگیں.........ایک چپاتی کھانے پر غرور کریں، حضرت عباس کی درگاہ تک جانے کو حج کا سفر جانیں - دوران انگلستان ایک دم میں پرانے بھوت سر سے اُتار دیں.........شیروں کے شکار کا تماشا دیکھنے جاتی ہیں - موقع اور محل سے ہاتھی پر بیٹھکر گولی بھی لگاتی ہیں.........سیر کرنے روم اور جزائر اور سوئٹزرلینڈ کے پہاڑوں پر، مرد احباب کے ساتھہ بلکہ اکثر اوقات تنہا بھی چلی جاتی ہیں.........اپنے شوہروں کو وطن میں چھوڑ کر عجائبات روزگار دیکھنے، دور دراز ملکوں میں چلی جاتی ہیں اور اپنے تجربہ کو پختہ کرتی ہیں - بڑے بڑے لال کلّے اور سفید کلّے والے سفیروں سے ڈٹ کر ہاتھہ ملاتی ہیں.........کسی کے مرجانے سے برسوں لباس سیاہ پہنکر پینی کھاتی اور ناچتی گاتی اور اس کی روح کی دعوت میں مصروف رہتی ہیں.........عمر بھر پارسا

بلکہ گرجوں میں پادری صاحبوں کے ہاتھہ پر صبح و شام توبہ کرتی ہیں ․․․․․․․․ اگر میں تم کو ساتھہ لاتا، تو سارا لندن تمہارا تماشا دیکھتا ․․․․․․․․ بیسیوں نوجوان لارڈ اور ڈیوک روزانہ مجھسے ملنے آتے ․․․․․․․․ میرا کام مفت میں نکلتا - یہاں عورتوں کی سفارش، ہر قسم کی سفارش سے زورآور اور پر اثر ہے - ان کی سفارش سے بڑے بڑے جلسوں کا ممبر بنتا ہے - ان کی سفارش سے عہدہ ہائے جلیلہ ملتے ہیں - ان کے ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کی صحبتوں میں رسائی ہوتی ہے - ان کی سفارش سے وزرا کی حکمت عملی میں فرق آجاتا ہے - ان کے دباؤ سے بڑے بڑے مدبّر، اپنی رائے بدل ڈالتے ہیں ․․․․․․․․․․ مگر جب تک تمہارے باپ (جن کو میں ایک بڑے اور نیم مردہ قاز سے تشبیہہ دے سکتا ہوں) زندہ ہیں، بہت سی دقتیں پیش آئیں گی ․․․․․․․․․․ "۔

ایک دوسرے خط میں (ڈیر پاپا) والد بزرگوار کو مخاطب کیا ہے :—

"․․․․․․․․ یہاں کے ہوٹلوں اور مکانات عام میں، اکثر نوکروں کی جگہہ خوبصورت ؟ طرحدار ؟ تربیت یافتہ ' چست اور چالاک، کمسن عورتیں ہیں اور یہی لوگ ہر قسم کا کام، دن کو اور رات کو دیتی اور کرتی ہیں — اور اس خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آتی ہیں کہ آدمی، اُن پر جان دینے لگتا ہے - حضور کے سر مبارک کی قسم، میری تو یہ کیفیت ہے کہ بے اختیار ان کو مارے محبت اور اخلاق کے گلے سے لگا لینے کو جی چاہتا ہے ․․․․․․ حضور اگر دس ہزار روپئے سے میری تائید کریں، تو میں یہیں شادی کرسکتا ہوں - اور ایک بڑی قابل، حسین اور صاحب جائداد دلہن کو لے کر وہاں آسکتا ہوں - اس کی طرف سے تو کورٹ شپ کے لئے اصرار ہے مگر میں نے چونکہ حضور کی مرضی اس بارہ میں دریافت نہیں کی، اس لئے مجکو اب تک

انکار ھے ....اگر میری شادی میری پسند کے موافق یہاں ھوجاے اور میں اپنی بی‌بی کو لے کر وھاں آوں اور چورنگی میں بر لب میدان ایک ھوا دار اور پر شوکت ایوان میں رھوں - تو اس وقت حضور دیکھہ سکتے ھیں کہ میری ولائتی بی‌بی اپنی لیاقت اور اخلاق سے کلکتہ کے اعلے درجہ کی صحبتوں میں کیسی رسائی پیدا کرتی ھے - روز کتنے دیسی ؟ سویلین اور ملٹری' جن کو خداوند کہتے کہتے آپ کی زبان خشک ھوتی ھے - میری میز پر صبح و شام کھاتے پیتے اور ناچتے گاتے ھیں اور ھم لوگوں سے اور یوروپین لوگوں سے کیسی بے تکلفی اور دوستی رھتی اور ھوتی ھے............یوں میم ھونے کے سبب سے اماں جان اور ابا جان اور خالہ اماں' اس سے نفرت کریں تو یہ دوسری بات ھے مگر صورت' سیرت دیکھکر تو خدا کی قسم پھڑک ھی جائیں گی - اس بارے میں اور عزیزوں سے صلاح کرکے حضور مجھے جلد اپنی راے سے آگاہ فرمائیں - کیونکہ اب میرا کلیجہ درد ھجراں سے مونہ کو آتا ھے اگر وقت معینہ پر جواب عریضہ نہیں ملا تو شاید میں عالم اضطراب میں کورٹ شپ شروع کردوں اگر بعد اس کے آپ نے خلاف میں راے ظاھر کی تو آپ کو ھرجہ دینا ھوگا........"

ایک دوسرے عریضہ میں ڈیر پاپا کو اخلاقیات کا سبق دیا گیا ھے '

"......حضور کے سرفراز ناموں میں نہ تو کہیں امورات تمدنی پر راے زنی ھوتی ھے نہ کسی مسئلہ اخلاقی پر بحث ؟ نہ گورنمنٹ کی کاروائی پر نکتہ چینی ؟ نہ جنگ کابل کا حل - پھر کیا آپ نے مجھے بارہ تیرہ ھزار روپیہ خرچ کر کے ممانی اماں کی خفگی ؟ اماں جان کی بدمزگی ؟ خالہ اماں کی لڑکی کی شادی ؟ چھوٹے بھائی کے مکتب اور محلہ والوں کی شادی غمی کی خبروں کے سننے کیلئے یہاں بھیجا ھے - میں حضور کے سرفراز ناموں کو اس طرح چھپاتا ھوں جیسے

عورت عمر ؟ مجروح داغ ؟ کیونکہ خدانخواستہ اگر حضور کا غیر مہذب مراسلہ' یہاں کسی کے ہاتھہ پڑ جاے تو پھر لندن میں میرا رہنا مشکل ہوجاے اور شاید فرط غیرت سے میں خودکشی کرلوں۔۔۔۔۔۔۔۔حضور برابر تاکید فرما رہے ہیں کہ یہ ہیچ میرز بھی چھوٹی بیگم کی شادی کے بارے میں راے دے۔۔۔۔۔۔افسوس ہزار افسوس کہ اب تک خیال شریف میں یہ موٹی بات بھی نہیں آتی کہ جب تک آدمی انگریزی نہ پڑھے کبھی زیور علم و اخلاق سے واقف اور نسواں کے فرشتہ سیرت اور حور نژاد فرقے کی قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ہوسکتا - للّٰہ ایکبار۔۔۔۔۔۔۔۔تشریف لائیے اور خاندان کی ساری مستورات کو لیتے آے - پھر دیکھئے عورتیں کس طرح رہتی اور مردوں کی جودت کی کل کو اپنی گرما گرمی اور باضابطہ اور پاک ناز نخرے سے کس طرح گھوماتی رہتی ہیں - ۔۔۔۔۔۔۔۔میری راے میں چھہ برس تک تو شادی کا ذکر ھی نہ کریں - ابھی اُس کی عمر ھی کیا ھے صرف ۱۷ برس - اور یہ عمر شادی کے واسطے مہذبوں میں نہیں ھے - چھہ سال بعد اس کو دولہا پسند کرنے کا موقعہ دینا چاھئے۔۔۔۔۔۔۔۔پس میری خواهش یہ ھے کہ آپ جلد اس کا سامان سفر درست کریں۔۔۔۔۔۔اس کے آنے کا بندوبست بخوبی سہل طور سے ہوسکتا ھے یعنی حضور اخبار دیکھتے رھیں - جب کوئی طالب‌العلم یہاں آنے والا ھو اس کے سپرد کردیں اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کسی حاکم یا نیل والے کے ساتھہ بھیجیں کیونکہ ایک یوروپین کے ساتھہ وہ زیادہ آرام سے آسکیگی - نیٹو لوگ مستورات کی قدر نہیں جانتے۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں شاید آپ یہ کہیں کہ اماں جان کی مفارقت' چھوٹی بیگم کو گوارا نہ ھوگی اس کا جواب یہ ھے کہ حضرت والدہ صاحبہ کے آنے میں کون سی قباحت ھے کیونکہ حکام عالی مقام کی میم لوگ جب برسوں ان سے جدا

رہ سکتی ہیں تو آپ نے اگر تھوڑے عرصہ کے لئے اپنے سے جدا کیا تو مضائقہ کیا ہے۔۔۔۔۔۔"

نواب آزاد نے ایک ڈکشنری بھی اپنے مخصوص رنگ میں تصنیف کی ہے جس کے متعلق پروفیسر شہباز کا خیال ہے کہ "اس رنگ نے وہ عام مقبولیت حاصل کی ہے کہ اس وقت کے کل رنگ پھیکے پڑ گئے" حقیقت یہ ہے کہ یہ ڈکشنری بجائے خود اس عہد کی صحیح اور سچی تصویر ہے اور اسی عہد کی نہیں، بلکہ چونکہ یہ، حقیقت اور انسانی فطرت اور معاشرت پر مشتمل ہے اس لئے آئندہ ایک نامعلوم مدت تک اس کی کارفرمائی رہے گی - چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں -

پالسی :—گیدڑ بھبکی، ہوائی بندوق کی آواز، کمزور کو دبانا، زبردست سے ڈرنا، ممبران پارلیمنٹ کا آپس کا ناز و نیاز، کسی کے جلتے ہوئے گھر سے تاپنا،

انٹرسٹ (حقوق) :—وہ چیز جس کی حفاظت ضروری نہیں، ایک قسم کی تمدن کی مچھلی جو کبھی جال میں نہیں پھنستی،

پارٹی فیلنگ (پاسداریٔ جماعت) :— غول بیابانی کا قائم مقام بنکر اپنے ہم قوموں کو راہ راست سے بھکانا، بے وجہ کسی سے عداوت ازلی،

سویلزیشن :—اپنے ہموطن کو نیم وحشی جاننا - اپنے بزرگوں کو "اولڈ گوس" (پرانا قاز) کہنا، ہارمونیم کی گت پر، برانڈی کی دھن میں، پیروں سے تال دینا۔

تعلیم نسواں :— عام جلسوں میں اپنی بہو بیٹیوں کو لے جانا۔

اپنی میم کا ' ناچنے کے جلسہ میں ایک وقت کے لئے
دوسرے کی میم سے تبادلہ کرنا

کارشلس :—ایک خاص قسم کا مادہ سنگ مثانہ جو مدبّروں کے
دماغ کا جزو لاینفک ہے اور جس کو کسی ڈاکٹر نے
آج تک پہچانا نہیں ' ہر قسم کے معاہدے کا ' خاص
ضرورتوں کے لئے توڑ دینا - ایمان کو حکمت عملی کی
اسپرٹ سے تر رکھنا -

پارلیمنٹ :—وہ پالی جہاں کا اصیل اور تیغی دونوں کڑے - تمدن
کے دنگل میں حکمت عملی کے مطابق وزرا کے چت پٹ
ہو جانے کا سہارا -

یورپین کنسرٹ (انجمن سلاطین یورپ) :—کمزور سلطنتوں کے لئے
بٹوارے کا نیا قانون - دوسروں کے انتظام خانگی میں
دست اندازی کا بہانہ ' محجوب‌المیراثوں کے
حقوق کا سرپرست ' مشرقی مسئلہ حل کرنے کی
کھرل ' اصیل کے واسطے سنگ ریزہ اور تیغی کے لئے دانہ '
احمد کا مردہ محمود کی قبر !

اولڈ پاپا (پدر بزرگوار) :—اثبات حلال زادگی کے واسطے بے نظیر
دلیل - بے ضرورت دنیا میں رہنے اور دنیاوی امور میں
دخل دینے کو ہر وقت طیار ' آزادی نسواں کے لئے
برق آفت ' انیسویں صدی میں مسلمانوں کی سب
سے بڑی شامت -

ان کے علاوہ اور بھی الفاظ ہیں مثلاً کورٹ شپ ' تھینکس د نائکا '
ڈومنی ' الکشن زادہ ' آیا ' میانجی وغیرہ ' جنکا اعادہ بخوف طوالت
نہیں کیا جاتا -

نواب آزاد نے " خمارستان کے تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسہ کا سالانہ ڈنر " بھی لکھا ہے ۔ " حاضرین نکہت قرین" میں ، مسٹر پینک الدولہ (چیرمین) چسکی الملک (گورنر صوبہ تریاک آباد) مرزا خماربیگ (راقم فوچو گزٹ) سید بانبو جنگ (کمانڈر انچیف افواج فغفوریہ) دھواندار خاں (انسپکٹر جنرل چانڈو خانجات) موجود تھے ۔

چیر مین نے اُس " شہنشاہ آفتاب نسب ۔ عادل، انصاف گستر" کا جام صحت تجویز کیا ہے :-

"..............جس کی رعیت سے بڑھ کر کسی کی رعیت، منکسرالمزاج، نرم طبیعت اور تہذیب یافتہ نہیں اور جس کی نیک نیتی اور پاک طینتی کی برکت سے افیون کی سی مفید، نفس کش اور مفرح چیز ہم لوگوں کے استعمال میں ہے... اور جس کی بدولت قوم حکمران نے ہم لوگوں کی جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ہے (چیرس) یہ اسی متبرک چیز کی برکت ہے کہ ہمارے ملک کے لوگوں نے آج تک بجز اس کی یاقوتی رنگت کے ، خون کی رنگت تک خواب میں نہیں دیکھی ، اور یہ اسی کی کرامت ہے کہ صدھا سال سے ہمارے کان ، بجز سامع نواز آواز بانبو کے ، توپ و بندوق کی وحشت انگیز اور عافیت سوز آواز سے آشنا نہیں.........ایسے ایسے کامل پروفسر لوگ ہماری یونیورسٹی میں ہیں جو برسوں مراقبے میں ستارے اور بروج

کا حال دریافت فرماتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد مرزا خماربیگ نے یوں گہر افشانی فرمائی :-

"۔۔۔۔۔۔۔میری دلی مسرت اور بڑی عزت کی یہ بات ہے کہ میرے سپرد اس جلیل‌القدر مہمان کا توسط ہوا ہے جو آج اتنے بڑے صوبہ کا گورنر ہے اور جس کی قلم کی نوک پر ہم لوگوں کے اقبال و ادبار کا دار و مدار ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اپنی خوش نصیبی سے گورنر ممدوح کا ذاتی دوست بھی ہوں اور اکثر میں نے لڑکپن میں اپنی ولایت کی چراگاہوں میں ان کے ساتھہ چھوٹے چھوٹے سور کے خوشنما اور خوش رفتار اور نیک اطوار بچوں کو چرایا ہے - جو صفائی اور رونق کہ سررشتہ آبکاری کی؟ ان کی زمان حکومت میں ہوئی ہے ایسی کبھی آج تک دیکھی نہیں گئی تھی اور صرف شراب اور افیون کی تجارت کو ترقی دینے سے اس قلیل عرصہ میں تہذیب اور علم ایسا شائع ہوئے کہ ہر کوچہ و بازار میں شراب خانے اور مدک خانے کثرت سے نظر آتے ہیں اور ان کے دیکھنے سے نیک نیت آدمیوں کی آنکھوں کو بڑا آرام ملتا ہے۔۔۔۔۔۔۔چیف کمشنر خرابہ کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب سے رم کو ان کوہستانی ملکوں میں رواج کیا گیا ہے تب سے سیکڑے میں بیس آدمی آگے سے زیادہ قحط کی سختی اور خوف کو کم کرنے کے لئے دارالبقا میں نشیمن کرتے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

اس کے بعد ان سب کا جواب دینے کے لئے چسکی الملک (آنکھہ ملتے ہوئے) اٹھہ کھڑے ہوئے - سب سے پہلے انہوں نے مرزا خمار بیگ کا شکریہ ادا کیا - فوچو گزٹ اور دیگر اخبارات اور آنریبل ممبران کونسل کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا اور پھر یوں گویا ہوئے :-

"..............اس ملک کے انتظام کی باگ لیتے ہی میں نے آبکاری کی طرف اپنی کامل توجہ مبذول کی اور اس میں جو کچھہ ترقی ہوئی ہے اس کا حال عام شفاخانوں یعنے شراب خانوں اور چنڈو خانوں کے نقشوں کی طرف دیکھنے سے ظاہر ہوسکتا ہے - افیون کا تجربہ ہمارے ملک چین میں ساتھہ کامیابی کے ہوچکا تھا اور اس لئے اس پر مجھے کامل بھروسہ تھا اور شراب نے انگلستان کو جو فائدہ پہونچایا ہے اس سے میرا ذہن خالی نہ رہا - الحمداللہ کہ ان دونوں چیزوں کے شائع کرنے اور پھیلانے سے خاطر خواہ، عمدہ اور زود اثر ثمرہ ملا - افیون نے یکقلم خونریزی، ڈاکے، بغاوت اور خانہ جنگیوں کا انسداد کردیا اور شراب نے تجارت کو چمکایا - نحیف القوی آدمیوں کو ہر قسم کی محنت کرنے کی طاقت بخشی، عہدہ داران فوجداری کے فائل کو بھاری کیا، کونسلیوں کے جیب و دامن بھردئے - گورکنوں کی تعداد بڑھائی، آئندہ قحط کا کامل طور پر انسداد کیا - اور فروغ

علم و تہذیب مغربی سے اس وحشي ملک کے لوگوں کے دل و دماغ کو نوراني بناديا......
فقط افيون و شراب سے علمي ' اخلاقي اور تجارتي ترقي هي نہیں بلکہ آئندہ کے لئے بلائے قحط کا شائستہ عنوان سے انسداد ہوگیا اور ساتھہ اس کے عمدہ اصول '' بیک کرشمہ دوکار'' سے خزانہ شاهي بھی مالا مال ہوگیا اور گورنمنٹ فغفوریہ کے دوالا نکلنے کا خوف جاتا رہا........بعض صاحبوں کي یہ دلیل کہ ہوم ملٹري خرچ کو کم کردیا جائے تو ٹکس اور قحط کی ضرورت جاتی رهے کیونکہ بے انتہا روپیہ خمارستان کے چیني مدکیوں کا اُڑ جاتا هے ' محض بے کار هے - کوئي اس کو غور نہیں کرتا کہ اگر دلاوران چین اس ملک کی حفاظت نہ کرتے تو کیا ملک ؟ اجنبی دشمنوں اور اندروني بغاوت کے صدموں سے محفوظ رہ سکتا ؟ ابھي تک خمارستاني فوج اس قدر لائق اور تربیت یافتہ نہیں هوئي کہ ان پر تکیۂکامل کیا جاسکے اور یہ باهر کے دشمن کي فوج سے لڑائي کر سکیں - گو متعدد چنڈو خانے ' جو همارے چیني انجینیروں کے بنائے هوئے حصار هیں مختلف مقامات ملک میں بنائے گئے هیں ' وهاں چیني رجمنٹیں رهتي هیں مگر ابھی تک اس کثرت سے یہ خیالي قلعے نہیں بنائے گئے کہ چینی فوج کا پیکن سے منگوانا موقوف هوسکے

اور هوم ملٹری خرچ گھٹایا جائے.........،،

ضمناً کچھہ روئداد جلجال کونسل بھی سنئے :-

آنربل بابو بگلا چرنداس :- سوال - کیا گورنمنٹ کو اس کی واقفیت نہیں ہے کہ بسبب کثرت محنت دماغي اور مالیریل اور مرطوب مقامات میں رہ کر کام کرنے کے ' ایک کثیر تعداد منصفوں اور سب ججوں کی ' مرض آب نزول میں مبتلا ہوکر بے وقت کی موت کي دعوت هی صرف نہیں کرتی ہے بلکہ اپنے فرائض کے انجام دهي سے روز بروز قاصر هوتی چلي جاتي ہے - اگر گورنمنٹ کی توجہ اس طرف ملتفت هوئی ہے تو کیا تدابیر ' ان وفا شعار اور قیمتي عہدہ داروں کے اس آفت سے بچانے کي کر رهي ہے یا کرنا چاهتي ہے - یہ بھي جاننے کی ضرورت ہے کہ گزشتہ پانچ برس میں اس مرض کی ستیز سے کتنے عہدہ دارون نے دارالبقا کا سفر کیا ہے اور کتنوں نے مجبوراً پنشن لے لي ہے -

آنریبل مسٹر فوکس :- جواب :- جس مرض کے حسرت ناک طور پر ممبران جوڈیشل سروس میں پھیلنے کي طرف آنریبل ممبر نے توجہ دلائی ہے اس کی خبر گورنمنٹ کو ہے مگر ان کو یہ جاننا چاهئے کہ جن اضلاع میں یہ عہدہ دار مامور ہیں وهاں سیکڑے میں پچھتر آدمي کو اس قسم کا مرض ہے اور اس کی کثرت ، آب و هوا کے خاص اثر پر موقوف ہے جس میں گورنمنٹ کو کچھہ دخل نہیں - علاوہ بریں تجربہ سے دیکھا گیا

هے کہ اس قسم کے امراض سے کسی قسم کا خلل ' ان عہدہ داروں کے کام کے انجام دھی میں واقع نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک استقلال اور تسکین کے ساتھہ اپنی جگہہ قائم رہ کر اپنے فرائض منصبی کو مضبوطی کے ساتھہ انجام دینے کے عادی ہوتے چلے جاتے ہیں اور کسی طرح یہ مرض ان کے ظاہری اقتدار اور اعتبار میں خلل انداز نہیں ہوتا ہے اور نہ ان کے وزن کو پبلک کی آنکھہ میں گھٹاتا ہے ....گورنمنٹ اس کو خلاف تہذیب سمجھتی ہے کہ ایسے امراض کے متعلق کوئی نقشہ پر کروا کر ممبروں کی واقفیت کے لئے پیش کرے اور شاید تمام آنریبل ممبروں کو ؟ ایسی زیادہ دلچسپی ؟ ایسے نقشوں سے نہیں ہے........."

گرما گرم تار کی خبر :— تاریخ ۱۷ مارچ ؟ واثمائ

"دو چار دن سے یہاں کے سفارتی حلقوں میں بڑی ہلچل مچی ہے اور یہ بات اب یقین کے قریب ہے کہ وہ ژولیدہ ' نیمجاں ' بد آواز اور وحشی کاکانوا ' جو باسفورس کے کنارے ایک بڑے ایوان عالیشان میں سرخ تاج پہنے ' ایک خوفناک تمدنی اڈے پر نیم غنودگی کے عالم میں ' اپنی بے پروائی اور سرکشی کی غیر مہذب اداؤں سے سلاطین یورپ کے نازک خیالات عظمت اور بے غرضانہ صلح جوئی کی عادت کو برسوں سے سخت صدمہ پہونچا رہا ہے ؟ آسانی سے مشکل اور

پیچیدہ مسئلہ مشرقی کے سلجھانے کے لئے اپنے
بیش قیمت اور خوبصورت پروں کو نوچنے نہ
دیگا ''

مولوی سید محمد عبدالغفور ' شہباز ' کی نظموں (طنزیات) میں جو بات سب سے پہلے ناظرین کی توجہ جذب کرتی ہے وہ ان کی انتہائی بے ساختگی ہے - ان کے کلام میں شاعرانہ بلاغت ؟ لطافت شعری یا ردیف و قافیہ کی برجستگی یا موزونی ' تلاش کرنا بے سود ہے - انہوں نے اپنی روانی فکر اور جودت تخیئل کو اصطلاحی پابندیوں پر خواہ مخواہ نہیں قربان کیا ہے - بعض بعض مواقع پر یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مذہب اور ملت کی طرف سے استغفا ہی نہیں روا رکھا ہے بلکہ ایک حد تک بے پروائی کو دخل دیا گیا ہے - اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ مذہب و ملت کو اسی قابل سمجھتے تھے' روا نہیں ہے - اصل یہ ہے کہ بسا اوقات خیالات کی برجستگی اور شگفتگی خود بخود ان حدود میں داخل ہوجاتی ہے جو کسی دوسرے صنف کلام کے شاعر یا نثار کے لئے ارض ممنوعہ کی حیثیت رکھتی ہیں - اس قسم کا ''تجاوز'' شعرا کے لئے جائز رکھا گیا ہے - کیونکہ ناظرین' اس حقیقت کو پہلے ہی سے محسوس کرتے ہوتے ہیں کہ یہ محض شاعرانہ تفنن ہے جس کو اعتقادیات سے کوئی نسبت نہیں ہے -

شہباز نے ایک موقعہ پر ''حضرت رمضان کا فوتو'' اس طور پر کھینچا ہے -

دو ہفتہ سے گھر میں مرے وارد رمضاں ہیں
جھلّے یہ کچھہ ایسے ہیں کہ سب ان سے بجاں ہیں

ہے شام مہینوں ہی میں جاکر کہیں آتی
سنتے کہیں برسوں ہی میں مغرب کی اذاں ہیں
مسجد میں ہیں ترتیل و قرات کے وہ جھگڑے
آمین کی جا مقتدی کہتے الاماں ہیں
ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے رکعت
مغرب پہ تراویح کے یاروں کے گماں ہیں
مغرب ہی چلی جاتی ہے مغرب سے عشا تک
سن لیتے کبھی اسمیں ہی مرغوں کی اذاں ہیں
مسجد سے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
الفاظ ہیں جو شکر کے سب ورد زباں ہیں

شہباز کے "سلجھے ہوئے خیالات" میں ایک جگہ داڑھی یوں اُلجھی ہوئی ہے :—

بنائیں جھالر اسے عرش و کرسئی رحمن
رکھیں فلک، اسے سر پر سمجھ کے کاھکشاں
لگائے آنکھ سے دیکھے اسے جہاں رضواں
ادب سے چھوتے ہی چومیں حور اور غلماں
نعیم خلد کی ھنڈی ہے درشنی داڑھی

مسلمانوں میں "آثار اقبال" ملاحظہ ہو ؟

اہل اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے
ہیں کچھ، آثار سے اقبال کے پائے جاتے
ہنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیرت سے
گر کبھی قوم کے خاکے ہیں اُڑائے جاتے

دستخط چندوں کي فہرست پہ کر دیتے ہیں
دے بھي دیتے ہیں بہت گر ہیں ستائے جاتے
شوق سے بیف ؛ مٹن ہمرہ مسٹر بیکن
کھاتے سچ مچ ہیں جو جھوٹوں ہیں کھلائے جاتے
" فانکھوا " سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
کورٹ شپ کے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
بار اٹھاتے ہیں وہ اکثر ولدالکلبوں کا
گر یتیموں پہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے

پنڈت رتن ناتھ سرشار اور سجاد حسین کے بارے میں مولوی عبدالباري آسي صاحب نے اپني تصنیف تذکرۂ خندۂ گل میں بعض نہایت گرانقدر خیالات کا اظہار فرمایا ہے جن کا جستہ جستہ اقتباس درج ذیل ہے :—

"............سرشار نے جو کُچھ سیکھا وہ اودہ پنچ سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے ، ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے ؛ ظرافت نگاري ان کا جزو تحریر ہوگئي تھی مگر سجاد حسین مرحوم کي ظرافت سے اس کو ذرّہ اور آفتاب کی بھي نسبت نہیں ہے - رتن ناتھ سرشار جب ظرافت پر آتے ہیں تو کچھ رسوم و رواج کے نقشے کھینچ کر ' کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اس میں محاورات کو داخل کرتے ہیں ' کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں ؛ کچھ ضرب‌الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں ' کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے ہیں ؛ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں ، کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار

موقع بے موقع لکھتے ہیں تب کہیں جاکر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے ۔ اس میں بھی ایک نقّاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظرآتا ہے اور دوسری نگاہ خوردہ بیں ؟ طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو لندھور بن سعد ان کی داستان خیال کرنے لگتی ہے ۔ رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزیب اور مزین معلوم ہوتے ہیں مگر وہ لعبت چیں سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان ۔ عام نظروں کو دھوکا دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں ۔ اُس کے مقابلہ میں سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی ؟ فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا ۔ غور کرنے پر اُس کے لطف میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنہیں سرشار ایک ایک کرکے جمع کرتے ہیں ۔ ایجاد ؟ ایجاز و اختصار ؟ فصاحت ؟ بلاغت ؟ ہر جگہہ دوش بدوش نظر آتی ہیں ۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے ۔ ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہہ میں ہوں اُسی کے لئے وضع ہوا ہوں؟ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے ۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے ؟ صرف زبان کا فرق رهتا ہے باقی کچھہ نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔ ؟؟

آسی صاحب نے سجاد حسین اور سرشار کا جو موازنہ یہاں پیش کیا ہے وہ خود " آورد ؟ سے خالی نہیں ہے اور صرف

« آورد » هی نہیں بلکہ اُس میں ایک سنگین تضاد بھی موجود ہے ۔ سرشار کی ظرافت پر جو تنقید پیش کی گئی ہے (قطع نظر اُس سے کہ اِس کا اطلاق سرشار پر ہوتا ہے یا نہیں) وہ تقریباً حرف بحرف خود نعمت خان عالی پر صادق آتی ہے ۔ اگر سجاد حسین کو سرشار پر ترجیح ہے اور آسی صاحب کو اِس پر اصرار ہے توسجاد حسین کو نعمت خان عالی سے دور کی نسبت بھی نہیں دینا چاہئے ۔ نعمت خان عالی کے مضامین ان صفات سے قطعاً مُعرّا ہیں جو (بقول آسی صاحب) سجاد حسین کی امتیازی خصوصیات ہیں ۔ میرے نزدیک تو یہ زیادہ بہتر ہے کہ سجاد حسین کے بجائے سرشار کو نعمت خان عالی سے تشبیہ دیجائے اور یہ بھی محض اُن خیالات کی بنا پر جن کا اظہار آسی صاحب نے سرشار کے بارہ میں کیا ہے ۔ نعمت خاں عالی کا ہنسنا اور ہنسانا دونوں مصنوعی ہوتا ہے ۔ سجاد حسین کی تصانیف کے تقریباً سارے کردار اس محرومی سے محفوظ ہیں ۔ نعمت خان کی ظرافت یا طنز "الفاظ" سے اور سجاد حسین کی "واقعات" سے وابستہ ہوتی ہے ۔ اور راقم السطور کے نزدیک نعمت خان عالی اور سجاد حسین کی تصانیف پر یہ خیال آخری فیصلہ نہیں تو آخری فیصلہ پر جلد سے جلد اور براہ راست پہونچنے کا بہترین و آخر ترین وسیلہ ضرور ہے !

سرشار کی سب سے بہتر اور اُن کے کمالات کی بہترین نمائندہ تصنیف "فسانہ آزاد" ہے ۔ اور اِس میں شک نہیں وہ سجاد حسین کے حاجی بغلول سے جامعیت میں کسی طرح کم نہیں ، خوجی کا کیریکٹر ، حاجی بغلول سے زیادہ متنوع ہے ۔ حاجی

بغلول ایک طور پر ڈکنس (Charles Dickens) کے پک وک ابراڈ (Pickwick Abroad) کا نامکمل اور ایک حیثیت سے ناقص چربہ ہے لیکن اس حقیقت سے کسي کو انکار نہیں ہوسکتا کہ حاجي بغلول ' اُردو طنزیات اور ظرافت میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اُس کا جواب اُردو میں کہیں نظر نہیں آیا ہے ۔

ہاں تو امر متنازعہ فیہ یہ تھا کہ سرشار کا فسانہ آزاد کہاں تک آورد اور تصنعات غیر ضروري سے پاک یا آلودہ ہے ۔ مولانا آسي صاحب نے اس بارے میں جو خیال ظاہر کیا ہے اُس کے بارہ میں آساني سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ موصوف نے صحیح مقدمات (صغریٰ وکبریٰ) سے غلط نتیجہ نکالا ہے ۔ آزاد نے زندگي اور معاشرت کے ہر پہلو پر علٰحدہ علٰحدہ اظہار خیال کیا ہے ۔ اِس کے لئے مختلف حالات و حوادث پر مخصوص انشا اور مخصوص مصطلحات ' مخصوص الفاظ اور فقروں کا لانا ضروری تھا ۔ ہر مصنف یا اکثر کو ان ضروري مراحل سے گزرنا پڑتا ہے ؛ چنانچہ نعمت خان عالي کو بھی انھیں نشیب و فراز سے گزرنا پڑا ؛ لیکن جہاں نعمت خان عالی اور سرشار ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوجاتے ہیں ؛ وہ ذوق اور مقاصد کا اختلاف تھا ؛ سرشار کے سامنے منزل مقصود تھي ؛ نعمت خان عالي کے سامنے صرف وسیلۂ سفر تھا ؛ دونوں کے ذوق اور مقاصد جداگانہ تھے ۔ فن ادب اور انشا میں یہ چیزیں مصنف کی قسمت پر آخري فیصلہ ہوتی ہیں ۔

سرشار کي تحریر کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ہے :—

"........خواجہ صاحب گو بیماري کے سبب سے سخت

پریشان ہوتے تھے مگر چانڈو خانے میں بیٹھنے کا چسکا اور پھر یہ بھی خیال تھا کہ اب جہاندیدہ ہوگئے ہیں چلکر ذرا چانڈو خانہ میں سیر و سیاحت کا حال تو دیکھیں ڈولی منگرا کر سوار ہوئے اور چٹ چانڈو خانے میں داخل - لوگوں نے ان پر نظر ڈالی تو متحیر کہ یہ نئی پنچھی کون پھنسے ! (خوجی) :- سلام علیکم یاران - سلام علیکم برادران (امامی) مالیکم بھائی مالیکم آؤ کہاں سے آنا ہوا (خوجی) ذرا تکنے دو پھر کہوں - مگر میں بیٹھہ نہیں سکتا - دو برس لڑائی پر خستہ ہوگیا جب دیکھو مورچہ بندی ' ہر دم ساز و سامان سے لیس' مر مٹے مگر وہ نام کیا کہ ساری دنیا میں مشہور ہوئے اور قسم جناب والد ماجد کی روح کی ' شیطان بھی ایسا مشہور نہ ہوا ہوگا - جیسا بندہ نے نام کیا یہ سب اس کی کریمی ہے (امامی) لڑائی کیسی - اب اس زمانہ میں خانہ جنگیوں تک کا ذکر تو سننے میں نہیں آتا ' لڑائی کیسی (خوجی) تم بسم اللہ کے گنبد میں بیٹھے بیٹھے کیا جانو (قادر) چانڈو کی نگالی چھوڑ کر—کیا روم روس کی لڑائی سے آتے ہو کہا - اور تو کوئی لڑائی نہیں سنی ہاں ایران والے اور توران والے سے بھی مورچہ بندی ہوگئی تھی - (خوجی) تم کیا جانو روم روس کی لڑائی کا حال (قادر) روم والے نے روس کے بادشاہ سے کہا کہ جس طرح تمہارا چچا ہم کو خراج دیتا تھا اسی طرح تم بھی دیا کرو مگر اس نے نہ مانا اسی بات پر تکرار ہوئی تو روم کے شہنشاہ نے کہا اچھا اپنے چچا کے مقبرہ میں چلو اور پوچھو دیکھو کیا آواز آتی ہے - بس صاحب سننے کی بات ہے کہ (وہاں چانڈو کے چھینٹے اُڑنے لگے) - بس جناب روس والےنے کہا ہم نہ دینگے تو اس بات پر تکرار ہوئی - روم کے شہنشاہ کے پاس

حضرت سلیمان کي انگشتری تھي اور وہ انھوں نے کسي فرشتے یا موکل کي مدد سے ھوا پر بھیجي تو صدھا جن حاضر ھوئے بادشاہ نے حکم دیا کہ روس میں ھر چار طرف آگ لگا دو تو روس کي چار دیواري جلنے لگي - روس والے نے سب وزیروں کو جمع کرکے کہا کہ آگ بجھاؤ تو سوا کروڑ سقے مشکیں بھر بھر کے پاني لئے کھڑے تھے اور مشکیں اتني اتني بڑي کہ دو لاکھ من پاني جن میں آئے - (خوجي) کیوں صاحب یہ آپ سے کس نے کہا ھے (امامي) اجي یہ نہ پوچھو - ان سے سب فرشتے کہہ جاتے ھیں (قادر) بس صاحب سننے کي بات ھے کہ سوا دو کروڑ مشکیں جنمیں في مشک دو لاکھہ من پاني تھا ملک کے چاروں کونوں پر پڑتي تھیں مگر آگ بھڑکتي جاتي تھی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ دو کروڑ لاکہ سقے کام کریں اور مشکوں میں چھتیس چھتیس کروڑ من پاني ھو - (خوجي) اوگیدی کیوں اس قدر جھوٹ بولتا ھے (شبراتی) میاں سننے دو بھائي عجیب آدمي ھو (قادر) اجي آپ لکھنؤ کے ھیں آدمی ان ملکوں کا کیا حال جانیں - روم روس مازندران توران انوپ شھر کا حال ھمسے سنئے (امامي) وھاں کے لوگ بھی دیو ھوتے ھیں دیو (قادر) روس کے بادشاہ کی غذا کا حال سنو تو چکرا جاؤ - سویرے منھ اندھیرے چھہ بکروں کي یخني - چار بکروں کے کباب ' دس مرغ کا پلاؤ اور دو موویلے ترکیب کے ساتھہ کھاتے ھیں اور نوبجے کے وقت سو مرغ کا شوربہ اور دس سیر ٹھنڈا پانی ' بارہ بجے جواھرات کا شربت کبھي پچاس من کبھي ساٹھہ من؟ چار بجے دو کچے بکرے دو کچے ھرن؟ دو کچے کبوتر جنگلي؟ شام کو شراب کا ایک پیپہ اور پھر رات گئے گوشت کا ایک چھکڑا - (امامي) جب تو طاقتیں ھوتي ھیں کہ سو سو آدمیوں

کو ایک آدمي مار ڈالتا ھے ؟ ھندوستان کا آدمي کیا کھاکر لڑے گا (شیراتي) ھندوستان میں اگر ھاضمے کی طاقت کچھہ ھے بھي تو چانڈو کے سبب سے وڑلا نہ سب کے سب مرجاتے (قادر) اسمیں کیا کلام ھے بھائي صاحب دریں چہ شک (امامي) سنا ھے ھاتھي سے تنہا مقابلہ کرتے ھیں روس والے (قادر) ھمسے سنو - دس ھاتھي ھوں اور ایک روسي دسوں کو مار ڈالیگا - ھاتھی کي مستک پر گھونسا مارا اور وہ چنگھاڑ کے بیٹھہ گیا ؟ بیٹھا اور مرگیا (خوجي) روس جانے کا کبھي اتفاق ھوا ھے آپ کو (قادر) اجی ھم گھر بیٹھے ساری دنیا کي سیر کو رھے ھیں (خوجي) یارو ھم کس سے کہیں ابھي جنگ کے میدان سے آتے ھیں ھمنے تو وھاں ھاتھي دیکھے ھي نہیں -- (قادر) روم والوں نے جب آگ لگادي تو گیارہ برس گیارہ مہینے گیارہ دن گیارہ گھنٹے جلا کي - اب جاکے پرسوں ذري آگ بجھی ھے (خوجي) اُف فوہ سر پیٹنے کو جي چاھتا ھے - ارے یارو اُس جھوٹ پر خدا کي مار (قادر) آپ کي تو صورت ھي کھے دیتي ھے کہ آپ روم ضرور گئے ھیں (خوجي) بھلا روم کي دارالسلطنت کا نام کیا ھے (قادر) مرزبان ' دس کوس اِدھر دس کوس اُدھر پہاڑ ھے (خوجي) مرزبان نام تو کوئي شہر ھي نہیں - تم کیا جانو مرزبان وہ شہر ھے جہاں ' خیر ' اور پریاں پہاڑوں پر رھتي ھیں اور دس کوس کے فاصلے پر آدم زاد اور پہاڑوں پر وھاں بادل روئي کے گالوں کی طرح چشموں میں پاني پي پي کے آسمان پر جاتے ھیں اور آسمان کے رھنے والوں کو پاني پلاتے ھیں (خوجي) یا خدا ان لوگوں کو سیدھے ڈھرے لگا (قادر) اچھا بتاؤ روم کے بادشاہ کا نام کیا ھے (خوجي) ھمسے پوچھتے ھو خدا کي شان (قادر) ھاں ھاں آپسے پوچھتے ھیں - بتائیے

(خوجي) سلطان عبدالحمید خاں بہادر غازي (قادر) ھنسکر واہ واہ بس بس آپ خاک نہیں جانتے (امامی) پھر یہ کیا کہتے ھیں کہ ہم روم سے آتے ھیں (قادر) بھلا لڑائي کا انجام کیا ھوا بتائے (خوجي) پلونا کی جنگ میں سپہ سالار ترک قیدھو گیا ۔ قلعہ ھمارے ھاتھہ سے نکل گیا اور روسیوں نے فتح پائی (قادر) کیا کہتا ھے بدبخت خبردار جو اب ایسا کہا ھوگا تو اتنے پونگیں ماروں گا کہ بھرکس ھي نکل جائے گا - (نواب) جي میں آتا ھے کہ اس وقت ان کی مرمت کردوں (امامي) ھمارے بادشاہ کے حق میں بري بات نکالنا کیا معنی - بد خواہ ' بے ادب آدمي - بچہ یہاں ایسي باتیں کروگے تو پٹ جاؤگے اور سنئے اچھے ملے (خوجی) سنو صاحب ھم شاھي کے کمیدان ھیں اور (قادر) اب زیادہ بولو گے تو اُٹھکر کچومر ھی نکال دوں گا ؟ ھمسے بڑھکر روم کا حال تو جانتا ھے (خوجي) جناب آپ تو پڑھے لکھے آدمي ھیں (قادر) قسم خدا کي اگر ذرا بولے تو بنیگی نہیں - (امامي) اب تم بے پٹے نہ جاؤگے کیا (شبراتی) یہ ھیں کہاں کے ؟ قبر سے نکل بھاگا ھے کیا - صورت تو دیکھو مردے کي سی !

"(آزاد) پیر و مرشد صف شکن علي شاہ وھاں ملے تھے (نواب) بہ آواز بلند - واہ ؟ لو صاحب سنو ارے مرا صف شکن علي شاہ ! (مصاحبین) بآواز بلند - جزاک اللہ جزاک اللہ ' واہ رے صف شکن علي شاہ (خوجي) خداوند اس ذانت ڈپٹ کا بٹیر بھي کم دیکھا (نواب) دیکھا ھي نہیں کم کیسا (مصاحبین) حق ھے حق ھے واللہ بہت صحیح ھے (نواب) ارے میاں

غفور ذرا گھر میں اطلاع کردو کہ صف شکن علي شاہ بہ خیریت
هیں معرکۂ دار وگیر میں انکو لوگ دیکھہ آئے هیں - مہری نے
اندر جاکر هنستے هنستے کہا " سرکار مبارک هو بڑی خوشي کي خبر
غفور کے زباني سننے میں آئي هے حضور نے کہلا بھیجا هے کہ همارے
صف شکن علي شاہ (مسکرا کر) روم کي لڑائي میں هیں ؟ معتبر
لوگوں نے دیکھا هے............ (نواب) بھلا کسي مورچے پر گئے
تھے یا نہیں دور هي سے دعا دیا کئے (خوجي) خداوند غلام جو
عرض کرے گا کسي کو باور نہ آئے گا اور یہ آپکے پاجي مصاحب
مجھے جھوٹا بنائیں گے اور میں جھلاؤں گا اور مفت کي تھائیں
تھائیں هوگي - (نواب) کیا مجال - خدا کي قسم اب تم میرے
رفیق خاص هوئے تمنے جو تجربہ حاصل کیا هے - بھلا دوسرا تمہارا
مقابلہ کر سکتا هے - (خوجي) یہ حضور کے اقبال کا اثر هے
خداوند ورنہ من آنم کہ من دانم کا نقشہ هے اذل خلائق ' هیچمیرز ؟
هیچمدان ؟ نالائق ' رد خلائق ' مردود ومطرود ' نا معقول هوں
.... حضور بات یہ هوئي کہ غلام لب چشمہ سار ایک
پیالي میں آهستہ آهستہ افیم گھول رها تھا کہ بس درخت
کي طرف سے نظر کرتا هوں تو نور کا عالم - یا الهي یہ ماجرا
کیا هے ' یا خدا یہ کیا اسرار هے غور کرکے دیکھتا هوں تو
روشني ؟ پہلے تو میں سمجھا کہ چنار کا درخت هے مگر دم
کے دم میں همارے حضور صف شکن پھر سے آن کر هاتھہ پر بیٹھہ
گئے - (نواب) شکر خدا هزار شکر خدا ؟ بڑے خوش هوئے هوگے
(خوجي) حضور جیسے کروڑوں روپیہ مل گیا ؟ دنیا بھر کي اقلیم
کے مالک بن بیٹھے ؟ حضور کا حال بیان کیا ؟ یہاں کا ذکر
چھیڑا ؟ سرکار کي بیقراري اور فراق میں نصیب اعدا گریہ و زاري

کا حال کہا ' بس حضور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کسی لڑائی میں غنیم جم ھی نہ سکے جنگ ھوئی اور روسیوں نے توپوں پر بنی لگائی اور ادھر میرے شیر نے کیل ٹھونک دی - (نواب) ایں ؟ آھا ھا ؟ واللہ اے میرے صف شکن علی شاہ ! (مسیتا) خداوند جانور کیا جادو ھے ' سحر ھے پرکالۂ آتش ھے (خوجی) بھلا اسکو کوئی بتیر کہہ سکتا ھے اور جانور آپ خود ھیں ؟ ایسا ثقیل اور سخت اور ناملائم لفظ انکی شان میں آپ استعمال کرتے ھیں - نا معقول ! (نواب) مسیتا بیگ اگر تم کو اچھی طرح رھنا ھے تو رھو ورنہ اپنے گھر کا راستہ لو - اس کے کیا معنی ؟ آپ کو صف شکن کو جانور بنایا کل مجھے جانور کہو گے - مصاحب ھو کہ آقا ھو (مصاحب) خداوند بجا ارشاد ھوا یہ نرے پھوھڑ ھیں........ (بیگم) صف شکن علی شاہ اب کہاں ھیں - (نواب) واللہ مجھے یہ حال معلوم ھی نہیں تھا کہ جنگ و جدال میں بھی برق ھیں میں تو سمجھتا تھا کہ صرف خانہ جنگیوں ھی میں استاد ھیں - مگر اس نے تو جاکے توپوں میں کیلیں ٹھوک ٹھوک دیں - اللہ اللہ ' خدا جانے یہ سب سیکھا کس سے ھے ؟ (بیگم) یہ خدا کی دین ھے سیکھنے سے کہیں ایسی باتیں آتی ھیں (نواب) واللہ سچ کہتی ھو بیگم صاحب ؟ سچ ھے پیاری اس وقت تم سے جی خوش ھوگیا - اے غضب خدا کا ' کجا توپ کجا کیل ؟ کجا صف شکن ' خیال تو کرو ؟ سبحان اللہ سبحان اللہ (بیگم) اگر پہلے سے معلوم ھوتا تو صف شکن کو ھزار پردوں میں چھپا کے رکھتی - کبھی ھوا بھی نہ دیتی مگر اب تو جو ھوا سو ھوا - ھاں خوب یاد آیا سنو وہ تو ابھی جیتے جاگتے ھیں اور تمنے انکا مزار بنوا دیا - یہ کیا (نواب) واللہ خوب یاد دلایا ؟ پیش از مرگ

واویلا (بیگم) یہ تو صریح کوسنا ہوا کسي بیچارے کو (نواب) کوسنے کے علاوہ اسمیں اور فیہ بھي ہے فرض کرو سیر کرتے ہوئے اسیطرف آنکلے اور پڑھے لکھے تو ہیں ہي ؛ نظر پڑگئي ؛ کہ " مزار پر انوار میاں صف شکن علي شاہ " تو اس وقت کہیں گے کہ ماشاءاللہ یہ لوگ میري موت ہي کے خواہاں تھے - کیا جھپاک سے قبر بنوادی ہے اس سے بہتر یہي ہے کہ کھدواڈالوں ورنہ بری ہوگي -

---

حضرت اکبر حسین، اکبر الہ آبادی

لسان العصر اکبر مرحوم کے کمال شاعري پر صحیح ؛ جامع اور مختصر ترین فیصلہ ، اگر اب تک کہیں مل سکا ہے تو وہ ترجمان حقیقت علامہ اقبال کا یہ ارشاد ہے ؛ -

سرِ ذروۂ طور معني کلیمے
بہ بُت خانۂ دور حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابر بہارے
گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے

اکبر کا زمانہ اکبر کے لئے عین مقتضائے فطرت تھا - مسلمانوں کے زوال کا ماتم حالي نے کیا ہے اور مرثیت کا دور ، حالي کے ساتھہ ہي ختم بھي ہوگیا - راقم السطور کے نزدیک حالی کي شاعري کا اخلاقي پہلو اس اعتبار سے نہایت اہم اور بلند ہے کہ اُن کا مرثیہ " تخریبي " ہونے کے بجائے یکسر " تعمیري " تھا - اُن کے قومي ماتم میں تخلیقي شان تھي - خاندانوں کي زندگي سے ملتي جلتی ہي زندگی اقوام کی بھي ہوتي ہے - مثال کے طور پر کسی خاندان کو لے لیجئے - فرض کیجئے کسي ظالم یا غاصب نے خاندان کو یکسر تباہ اور غارت کردیا ؛ پسماندگان ،

فرط غم و الم سے زمین آسمان ایک کردیتے ہیں اور کچھ عرصہ تک کم و بیش یہی عالم رہتا ہے ۔ مرور ایام سے حادثہ کی شدت کم ہو جاتی ہے بایںہمہ اپنی حالت بہتر بنانے یا غاصب سے انتقام لینے کی کافی سکت نہیں ہوتی ۔ اس وقت تھوڑا بہت ماتم، بہت کچھ طعن و تشنیع اور ہجو و ہزل سے دل کا بخار کم کیا جاتا ہے ۔ یہ دور بھی ختم ہوتا ہے اور پسماندگان اپنی حالت کو قدیم سطح پر لانے اور ظالم سے انتقام لینے پر اپنے آپ کو جری پانے لگتے ہیں یہ وقت رجز اور حرب و ضرب کا ہوتا ہے ۔ ٹھیک اسی طور پر ہماری سوسائٹی، ہماری شاعری اور ہمارے شعرا کی بھی ابتدا، ارتقا اور انتہا ہوئی ہے ۔ حالی نے سلطنت مغلیہ کے زوال پر اسلام اور اسلامیوں کا ماتم کیا ۔ اکبر نے طنز اور ظرافت سے کام لیا اور اقبال نے نعرہ جنگ بلند کیا ۔ انہیں وجوہ کی بنا پر راقم‌السطور کے نزدیک حالی، ماضی کے، اکبر حال کے اور اقبال، مستقبل کے شاعر قرار دئے جاسکتے ہیں ۔

حالی نے خود ایک جگہ کہا ہے :-

ہیں یہ باتیں بھول جانے کی مگر کیونکر کوئی
بھول جائے صبح ہوتے ہی وہ سب شب کا سماں
بزم کو برہم ہوئے مدت نہیں گزری بہت
اُٹھ رہا ہے گل سے شمع بزم کے، اب تک دھواں

اقبال فرماتے ہیں :-

من صدائے شاعرِ فرداستم

یا

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

اب دیکھنا یہ ہے کہ کن حالات کے ماتحت اکبر نے اپنا پیام رسالت ہم تک پہونچایا ہے -؟ اس زمانہ میں اغیار کی دراز دستی، اقربا کی سادہ لوحی؟ برادران یوسف کی بے اعتنائی و سرد مہری؟ مذہب و ملت کی کس مپرسی؟ حکومت کا استیلا؟ مغربیت کا سیلاب بلا، ایسی چیزیں تھیں جن کا نہ تو ماتم کیا جاسکتا تھا اور نہ مقابلہ؟ مجبوراً شاعر نے درمیانی راستہ اختیار کیا - وہ طعن و ہجو سے مرافعہ کرتا ہے؟ ہنسا ہنسا کر رولاتا ہے اور کھلا کھلا کر مارتا ہے - تلخ حقائق کو شربت کا گھونٹ بنا دیتا ہے؟ روتا ہے تو ایسی صورت بنا کر کہ لوگ ہنستے ہنستے رو پڑیں؟ ہنستا ہے تو اس انداز سے کہ لوگوں کے گریہ گلوگیر ہوجائے -

اکبر کے عہد کا بہترین خاکہ جو اب تک راقم‌السطور کی نظر سے گزرا ہے اور جو اپنی معقولیت اور جامعیت کا خود ہی نظیر ہے؟ مولانا عبدالماجد صاحب بی - اے - دریا بادی کا وہ حصۂ مضمون ہے جو رسالہ اُردو بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۲۳ ع میں شائع ہوچکا ہے - ممدوح نے جس خوبی؟ بصیرت اور بلند آہنگی سے حالات اور واقعات کا مرقع کھینچا ہے؟ اس کا یہاں تذکرہ ناگزیر ہے - ان کو مد نظر رکھکر لسان العصر کے شاعرانہ کمال کا اندازہ لگانا آسان بھی ہوگا اور مفید بھی - وھوھذا

"اکبر کی شاعری کی نمود و ترقی کا زمانہ، انیسویں صدی عیسوی کا ربع آخر اور بیسویں صدی کا خمس اول ہے - یہی زمانہ ہندستان میں مغربی تمدن؟ مغربی اخلاق؟ مغربی معاشرت؟ غرض مغربیت کے انتہائے عروج و شیوع کا ہے - اکبر جب دنیا سے روشناس ہوتے ہیں تو اُن کے ملک و قوم کی یہ حالت ہے کہ غدر ۱۸۵۷ ع کو فرو ہوئے چند سال گزر چکے ہیں - ہندوستان بیرونی

مداخلت و تسلط کے شکنجہ میں پورے طور پر کسا ہوا ہے ۔ مسلمانوں کی قوم خصوصیت کے ساتھہ اپنی شامت اعمال کے نتائج بھگت رہی ہے ۔ اسلامی اخلاق ، اسلامی آداب ، اسلامی شعائر ، مدت ہوئی ' رخصت ہوچکے ہیں ۔ ثروت و خوشحالی کا اول تو وجود ہی عنقا ہورہا ہے اور پھر جو کچھہ ہے بھی ، وہ عیاشیوں ، نفس پرستیوں کے لئے وقف ہے ۔ تعلیم وتربیت ، اتفاق و اتحاد ، نظم و انتظام ، ضبط و خود داری ، ہمت و بلند نظری ، صداقت و حق پرستی ، قناعت اور ایثار میں سے کوئی ایک شے موجود نہیں ۔ عقائد میں تزلزل آچکا ہے ، ایمان کی مضبوطی ایک افسانۂ پارینہ رہ گئی ہے ۔ حرص و طمع ، مکر و نفاق ، خود غرضی و غداری ، نفس پروری اور عیش پرستی کی گرم بازاری ہے ۔ اُس کے مقابلہ میں برطانیہ کی عظمت کا نقش ہر دل پر بیٹھا ہوا ہے ۔ داد خواہی کے لئے انگریزی عدالتیں ہیں ، تعلیم کے لئے انگریزی مدرسے ہیں ، سفر کے لئے انگریزی سواریاں ہیں ' علاج کے لئے انگریزی شفا خانے ہیں ، رسل و رسائل کے لئے انگریزی ڈاکخانے ہیں ، مہاجنی کے لئے انگریزی کوٹھیاں اور بانک ہیں ، ماضی سے واقفیت کے لئے انگریزوں کی کتابیں ہیں ، حال سے باخبر رہنے کے لئے انگریزوں کے اخبارات ہیں ، مستقبل کی پیشینگوئی کے لئے انگریزی سائنس ہے ، عزت و حکومت کے لئے انگریزی عہدے ہیں ، حصول زر کے لئے انگریزی پیشے (بیرسٹری وکالت ڈاکٹری ، انجینری وغیرہ) ہیں ۔ زینت و آرائش کے لئے انگریزی مصنوعات اور انگریزی بازار ہیں ، نشاط وتفریح کے لئے انگریزی پارک اور انگریزی تماشہ ' تھیٹر وغیرہ ہیں ۔ غرض جس طرف بھی رخ پھرتا ، حد نظر تک ایک غیر محدود نا مٹنا ہی پرچم ' انگریزی اقبال کا لہراتا

ہوا نظر آتا.......... سوتے ہوئے شخص کے کمرہ میں دفعۃً تیز روشنی کر دیجائے تو وہ سمجھے گا کہ آفتاب نکل آیا ۔ یہی حال اِس وقت قوم کا تھا - اضطرار قلب ؛ انتشار خاطر ؛ اختلال حواس و اجتماع حوادث کے وقت' دیو میں پری کا حسن و جمال معلوم ہوا ؛ عجوز ہفتاد سالہ پر نازنین شانزدہ سالہ کا دھوکا ہوا ۔ دیر میں حرم کا تقدس دکھائی دینے لگا ۔

اب مغرب کا جادو ساری قوم پر چل گیا ۔ علم و فضل کا معیار کمال یہ قرار پایا کہ انگریزی زبان آجائے ؛ تلفظ انگریزوں کا سا ہوجائے ؛ اور انگریزی علوم سے واقفیت ہوجائے ۔ تہذیب و شائستگی کی معراج یہ ٹھہری کہ کھانا انگریزی کھایا جائے ؛ لباس انگریزی پہنا جائے اور انگریزی تقلید میں خاندان مشترکہ کے وجود کو ذلیل سمجھہ کر ضعیف والدین اور دوسرے اعزہ سے قطع تعلق کرلیا جائے ۔ شرافت و عزت کا منتہائے خیال یہ قائم ہوا کہ ہر ممکن ذریعہ سے انگریزی عہدے حاصل کئے جائیں ۔ انگریزی حکومت کی برکات کا وعظ کہا جائے اور اپنے ہم وطنوں اور ہم قوموں کو نقصان پہونچا کر انگریزی دربار میں رسوخ حاصل کیا جائے ؛ عقل و دانش کا یہ مفہوم قرار پایا کہ ہر انگریزی مصنف کے ہر قول پر بے چوں و چرا ایمان لے آیا جائے اور اپنے علوم و فنون ؛ اپنے شعائر و رسوم ؛ اپنے عقائد و خیالات کو یکسر اوہام کا لقب دے کر انگریزیت کے صنم دلربا کے قدموں پر نثار کر دیا جائے ۔ اُردو زبان' اِس لئے حقیر نظر آنے لگی کہ یہ "سرکار" کی زبان نہیں ۔ پردہ کی رسم اِس لئے غلامئ نسواں کی مرادف نظر آنے لگی کہ انگریزی خواتین کا شعار بے حجابی کا ہے ۔ تعدد ازدواج کا دستور اِس لئے شرمناک محسوس ہونے لگا کہ انگریزی قوم ایک سے زاید منکوحہ بیویاں رکھنے کے ضابطہ سے نا آشنا ہے ۔ عرش کے انکار پر سب سے قوی دلیل یہ قائم ہوئی کہ انگریزی ہیئت اور جغرافیہ

کي کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ـ شیاطین ، جنات اور ملائکہ کے وجود
کے ابطال کے لئے یہ دلیل قطعي نکلي کہ انگریزي سائنس، کسی آلہ کي
مدد سے اُن کا مشاهدہ نہ کرسکی ـ معجزات کا دعویٰ اِس لئے قابل مضحکہ
ٹھرا کہ مل اور اسپنسر اُن کے قائل نہیں ـ نبوت اور الوھیت کے عقائد
میں اِس لئے رخنے پڑنے لگے کہ هکسلے اور هیوم متشکک رهے هیں......
بهر حال یہ فضا تھي جس میں اکبر نے اپني آنکھیں کھولیں، یہ ماحول
تھا جس میں اُنھیں اپنا پیام پهونچانا تھا..........فطرت کي جانب
سے وہ ایک رسول هوکر آئے تھے ـ اُن کا پیام اُسي تحریک مغربیت کے
خلاف ردّ عمل تھا ـ اُن کی شاعری اول سے آخر تک اسي مادیت اور
مغرب پرستي کا جواب هے ،، ـ

اکبر نے زندگي کے هر شعبہ پر اپنے مخصوص رنگ میں اظہار خیال
کیا هے ـ اُن کے یہاں بعض بعض الفاظ کے مخصوص معني اور مفہوم
هیں جن کو وہ اس لطیف انداز سے اپنے کلام میں لاتے هیں کہ اُن کا پورا
مفہوم واضح هوجاتا هے حالانکہ اُن کي تشریح کی جائے تو ورق کے ورق
سیاہ هو جائیں اور پھر بھي کافي طور پر دلنشین نہ هو سکیں مثلاً
نیٹو ، بابو ، مولوي ، کمسریٹ ، اُونٹ ، بسکٹ ، بدھو ، بفاتي ، صاحب ،
شیخ صاحب ، لاٹ صاحب ، گزٹ ، ڈارون ، کالج ، ڈنر ، اسپیچ ، کونسل ،
کیمپ ، پریڈ ، کمیشن وغیرہ ـ

اِسي سلسلے میں مناسب هوگا اگر یہاں اکبر کے مسلک کا بھی
ضمناً تذکرہ کر دیا جائے ـ اکبر مشرقیت کے دلدادہ اور "مولویت" سے
بیزار هیں ـ وہ باطن کو ظاهر پر فوقیت دیتے هیں ـ وہ مغرب کی
مادیت کو مذهب اور اخلاق کا دشمن سمجھتے هیں ، وہ هندوستان کي
قومي تحریکوں کے حامی تھے ، لیکن هوم رول سے قطعاً بیزار تھے ، وہ
شوهر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈي (Lady) پر ترجیح دیتے

ہیں - غرض کہ وہ اِن تمام باتوں کے خلاف جنگ آزما تھے جن کا تعلق
بد مذاقی ؟ کورانہ تقلید ؟ بے تمیزی ؟ اور تنگ نظری سے تھا -

اب یہاں بعض عنوانات کے تحت میں لسان العصر کے کلام کا
جستہ جستہ نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

ظرافت اور زندہ دلی :-

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہے جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

دُھن دیس کی تھی جس میں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

کمیٹی میں چندے دیا کیجئے
ترقی کے حجّے کیا کیجئے

چھوٹیں جو گائے ماتا حسرت سے اونٹ بولے
افسوس شیخ جی نے ہم کو پتا نہ سمجھا

فرمائیے ہیں یہ خوب بھائی گھورن
دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب
چغد سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ

بند تاپے میں تھے وہ بنگلے پر
صبح کے وقت ھنس پڑی اک میم
جب وہ بولے بجائے ککڑوں کوں
"مرغ شاخ درخت لاھو تیم"

بوڑھوں کے ساتھہ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

بسے برگیڈ میں جاکر رفاقت اس کو کہتے ھیں
ھوئے مدفوں تکئے میں اصالت اس کو کہتے ھیں

اولڈ مرزا ھر طرف بدنام ھیں
ینگ بدّھو وارث اسلام ھیں

جس نے دل کو لے لیا ھے دل لگی کے واسطے
کیا تعجب ھے کہ تفریحاً ھماری جان لے

کہاں اور کس طرف قائم کروگے یادگار ان کی
دم آخر یہ ذکر ان سے کرو، یٰسین کیا ھوگی

وہ فقط وضع کے کشتہ ھیں نہیں قید کچھہ اور
بھینس کو گون پنھا دیجئے عاشق ھجائیں

بتائیں آپ کو مرنے کے بعد کیا ھوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ھوگا

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھہ
رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھہ

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید، مسجد میں فقط جُمّن

حکم برٹش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہي ہے بهائي صلّو کا

مذہبی بحث میں نے کي ہي نہیں
فالتو عقل مجھہ میں تهي ہي نہیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھہ ندان ہے
لیکن معائنۂ کو وہي نابدان ہے

تھے معزز شخص لیکن ان کي لائف کیا لکھوں
گفتني درجِ گزٹ ، باقي جو ہے نا گفتني

شیخ جي کے دونو بیٹے باهنر پیدا ہوئے
ایک ہیں خفیہ پولس میں ایک پھانسي پاگئے

مولوي صاحب نہ چھوڑیں گے، خدا گو بخش دے
گھیر ہي لیںگے پولیس والے سزا ہو یا نہ ہو

سیاسیات :—

یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

کونسل میں سوال کرنے لگے
قومی طاقت نے جب جواب دیا

بوزنہ کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

سر افرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹئے ان کی
اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظ طریقت
دنیائے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو
انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلق

سیدے ادھر ایسے کہ سہیں جور رِفل بھی
کان ان کے وہ نازک کہ گراں میری غزل بھی

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھپک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے

کیا ناز هو ایسي ساعت پر افسوس هے ایسي حالت پر
یا جھوٹ کهے یا کچھه نه کهے یا کفر کرے یا کچھه نه کرے

بے عزت هو کے جو چلئے تو محلہ میں حقیر
باعزت هو کے جو رهئے تو فرشتوں میں خفیف

جو پوچھا مجھه سے دور چرخ نے کیا تو مسلماں هے
میں گھبرایا که اس دریافت میں کیا رمز پنهاں هے
کروں اقرار تو شاید یه بے مهري کرے مجھه سے
اگر انکار کرتا هوں تو خوف قهر یزداں هے
بالاخر کهدیا میں نے که گو مسلم تو هے بندہ
و لیکن مولوي هرگز نهیں هے خانساماں هے

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نه هوتا
اس کو بھي آپ پاتے گاندھي کي گوپیوں میں

مذاق عشق :-

هم آه بھي کرتے هیں تو هو جاتے هیں بدنام
وه قتل بھی کرتے هیں تو چرچا نهیں هوتا

واه کیا راه دکھائي هے همیں مرشد نے
کعبه کو کردیا گم اور کلیسا نه ملا

بتوں سے میل ، خدا پر نظر ؟ یہ خوب کہی
شب گناہ ، نماز سحر ، یہ خوب کہی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
حسرت بہت ترقئی دختر کی تھی اُنھیں
پردہ جو اُٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ من
کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس
ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں
گو دعوئ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر
کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

دین دنیا :—

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُن کو نہیں آتا اُنھیں غصہ نہیں آتا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رورو کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئي دولت بھی گئی بیوي بھي گئي اور زر بھي گیا

خامشي سے نہ تعلق ھے نہ تمکین کا ذوق
اب حسینوں میں بھي پاتا ھوں میں اسپیچ کا شوق

تعلیم کي خرابي سے ھوگئي بالاخر
شوھر پرست بیوي پبلک پسند لیڈي

ترقی کي تپیں ھم پر چڑھا کیں
گھٹا کي دولت اسپیچیں بڑھاکیں
رھیں ھر پھر کے آیا بی نصیبن
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکي کو سنوارا
کچھہ جوڑ تو اُن میں کے ھوے بال میں رقصاں
باقی جو تھے گھر اُن کا تھا افلاس کا مارا
بیرا وہ بنا کمپ میں ' یہ بن گئیں آیا
بي‌بي نہ رھیں جب تو میاں پن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ
آغاز سے بدتر ہے یہ انجام ہمارا

اُٹھ گئے وہ جنھیں مقدور تھا خود داری کا
نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید
ولولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں
شرم مشرق کے عدو ' شیوۂ مغرب کے شہید !!

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید

باپ ماں سے ' شیخ سے ' اللہ سے کیا اُن کو کام
ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر
دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سنور رہی ہے
نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو
کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گزر رہی ہے
دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

اک علم تو ہے بت بننے کا ' اک علم ہے حق کے پڑھنے کا
اُس علم کي سب دیتے ہیں سند' اس علم میں ماہر کون کرے
جب علم ھي عاشق دنیا ھو' پھر کون بتائے راہ خدا
جب خضر اقامت پر ھوں فدا ' تائید مسافر کون کرے
سودا بھي رنگ طبع بشر' فطرت ھي میں ھیں اسباب جنوں
اکبر کو بھي ھوش آجائے تو پھر' اس کام کو آخر کون کرے

تعلیم جو دیجاتی ہے ھمیں وہ کیا ہے فقط بازاري ہے
جو عقل سکھائي جاتي ہے وہ کیا ہے فقط سرکاري ہے

ترقی کي نئی راھیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیویاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتي نہیں ھمکو
دعا منہ سے نہ نکلي پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

مذھب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ھي گئے گھسیٹ کے مجھکو پریڈ پر
تیار ھو رھا تھا میں جنت کے واسطے

چرخ نے پیش کمیشن کھدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اُس کي زندگي اخبار میں
شوھر افسردہ پڑے ھیں اور مرید آوارہ ھیں
بیبیاں اسکول میں ھیں' شیخ جي دربار میں

مذہب ہے امر قولی سمجھو نہ فعل ذاتي
معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتي

شیخ جی کي نظر میں مَیں ہوں فقط
میري نظروں میں ساري دنیا ہے
بس یہي وجہ ہے کہ اے اکبر
مجھکو حیرت ہے اُن کو غصہ ہے

یہي فضائل یہي طبیعت ' رہي تو قسمت یہی رہیگی
زمانہ بدلے گا بہی تو پھر کیا' ہماري حالت یہي رہیگي
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے' تو ذکر عصیانِ غیر کا کیا
عدو کی قسمت بگڑ بھي جائے تو اپنی قسمت یہي رہیگي

عبث ہے نظم بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسن مُدعا کا
حدیث عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

رہتا بہت ہے شوق دلیل اور قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

ایک دن اور قیامت بھي کھسک آئیگي
اور کیا عرض کروں آپ سے' کل کیا ہوگا

روش ذہن بشر کي مدعي مطلق نہیں سمجھا
ترقي سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

صدیوں فلسفي کي چلاں اور چلیں رهي
لیکن خدا کي بات جہاں تهي وهیں رهی

جہاں هستي هوئي محدود لاکهوں پیچ پڑتے هیں
عقیدے ' عقل ' عنصر سب کے سب آپسمیں لڑتے هیں

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفي هوگئے
داستان بدر والے شیعہ سنی هوگئے

اکبر اپنے رنگ میں منفرد رهے ' اُن کے رنگ میں بعض لوگوں نے لکھنے کی کوشش کي ' لیکن اتنے بھي کامیاب نہ هوئے ' جتنا مولانا ابوالکلام اور حسن نظامي صاحبان کے بعض متبع - حقیقت یہ هے کہ آزاد (محمد حسین) ابو الکلام اور حسن نظامي کا طرز انشاء اُن کي ذات هے ' صفت نهیں ' یهي معاملہ اکبر کے ساتھہ هے - جس طرح دنیا میں ایک طرح کي دو ذات یا انفرادیت نهیں هوتي اسي طور پر اُردو ادب میں ان بزرگوں کا جواب نهیں پیدا هوا ' ممکن هے ایسا هونا ناممکن بھي هو - یوں کهنے کو آزاد کے متبع آغا طاهر ' ابوالکلام کے عبدالرزاق ملیح آبادي اور حسن نظامی کے ظهور احمد وحشي کھینچ تان کر قرار دئے جاتے هیں' لیکن "مولوی مدن" کی ڈاڑھي کا جواب کب نظر آیا - یهاں اس کهنے سے یہ مقصود نهیں هے کہ اُن کا طرز انشا خامیوں سے پاک هے ' لیکن مشکل یہ هے کہ ان خامیوں کا بھي کهیں صحیح چربہ میسر نهیں آتا - مثلاً آزاد کبھي کبھی معني اور مفهوم کی ذمہ داری یا الجھیڑوں سے بچنے کے لئے الفاظ یا فقروں کی بازیگري شروع کر دیتے هیں - مولانا ابوالکلام انهیں الفاظ اور

فقروں کو الوهیت اور نبوت کا جامه پهنا دیتے هیں اور سامع یا قاري کا
ذهن اور دماغ پرسش کے بجائے پرستش کی طرف مائل هو جاتا هے ۔
حسن نظامي اپنے الفاظ سے کبهي بچے معلوم هونے لگتے هیں اور کبهي
مجذوب یا پهر ایسي رعایت لفظی پر اُتر آتے هیں جو اکثر نعمت خان
عالی کو بهي سر بگریباں کرنے پر مجبور کر دیتي هے۔ با ایںهمه یه لوگ
موجوده اُردو ادب میں ایسي قوت رکهتے هیں جو کم لوگوں کے حصه میں
آئي هے ۔

خواجه حسن نظامي صاحب ایک جگهه فرماتے هیں :—

"نثر میں سب سے بہتر ظرافت لکهنے والے مولوی محفوظ علي صاحب
بی - اے - ساکن بدایون هیں - اُن سے زیاده نیچرل اور بے ساخته چلبلي
اور از سر تا پا مرصع ظرافت کوئي نهیں لکهتا یا میرے علم میں نهیں
هے .... ان کے بعد پنچ اور مسٹر شوکت علي کا نمبر هے ۔
مسٹر ظفر علي خاں کو بهي مذاقیه مضامین کا خاص ملکه هے' مگر میں اُن
کو ایک دوسرے فن کے اعتبار سے اول درجه دوں گا یعني وه کسي کی هجو
کرنے میں ایسا کمال رکهتے هیں جس کي مثال اُردو نویسوں میں سوائے
مرزا حیرت کے اور کہیں نهیں هے ۔ اگرچه میں مرزا حیرت کو فوقیت
دیتا هوں کیونکه وه آسان اور نهایت میٹهی زبان میں هجو کرتے هیں اور
ظفر علي خاں ادق اور مشکل عبارت میں" ۔

پنچ کے دور کے بعد جس نے سب سے پہلے "پنچانه رنگ"
کو ترک کرکے "اسپکٹیٹر" (The Spectator) سے قریب هونے کی
کامیاب اور مستحسن کوشش کي هے اس میں سید محفوظ علي صاحب
بدایوني ' سلطان حیدر جوش ' پنچ یا اولڈ بوائے کے کهلنڈرے تهے
همدرد (دهلي) کے ابتدائي دور میں "تجاهل عامیانه" کے ماتحت
جیسے دلکش اور زعفران زار مضامین نکلے هیں وه تقریباً سب کے

سب سید محفوظ علی صاحب کے قلم کے رهین منت تھے ۔ اس سلسلۂ مضامین میں بمبوق مرحوم اور محمد فاروق صاحب ایم ۔ ایس ۔ سي ۔ (علیگ) المعروف به "حاجی صاحب" کا نام بھی لیا جا سکتا هے ۔

بعض دیگر انشا پردازوں کے مضامین کے خلاف سید محفوظ علیصاحب کا هر لفظ کانٹے کا تلا معلوم هوتا هے اور وہ جو کچھہ کہنا چاهتے هیں ' ایسا معلوم هوتا هے که اس کی حقیر ترین جزئیات پر بھي ان کو عبور هے ۔ ان کا طرز بیان ' اور انتخاب الفاظ اپنے اندر بہت سي گہرائیاں لئے هوتا هے ۔ لیکن یہاں راقم‌السطور کو یہ کہنے میں بھي تامل نہیں هے که سید صاحب رعایت لفظي کی گمراهیوں میں اکثر اسیر نظر آتے هیں ' یہي رعایت لفظی اکثر ان کو تمثیلیه (Allegory) کے پھندوں میں الجھا دیتي هے ۔ رعایت لفظی کا آرٹ بے حد نازک هے ۔ اس کے یه معنے نہیں که سید صاحب اس آرٹ کے لطف اور نزاکتوں سے بے بہرہ یا بے خبر هیں ۔ ان کي قابلیت علمي اور ذوق صحیح اس قسم کي بد گمانیوں سے کہیں ارفع هے ۔ ممکن هے وہ اس کو اتنا اهم نه سمجھتے هوں !

هاں تو کہنا یه تھا که رعایت لفظي کا آرٹ حد درجه نازک هے ۔ اگر پڑھنے والے کو یه محسوس هوگیا که مضمون نویس نے صرف رعایت لفظی ملحوظ رکھی هے یا یه معلوم هوگیا که محض ایک لفظ یا فقرہ کو نباهنے کے لئے پہلے یا بعد میں بے شمار الفاظ یا فقرے لکھنے پڑے تو میرا خیال هے اس سے ایک طرف پڑھنے والے کا ذوق سلیم مجروح هوتا هے اور دوسري طرف لکھنے والے کي توهین هوتي هے ۔ رعایت لفظي کا کمال اس کي انتہائي بے ساختگی هے' یه کبھي نه معلوم هو که الفاظ کا استعمال صرف

الفاظ کے لئے کیا گیا ہے - اس میں شک نہیں ابھی ہماری سوسائٹی کے افراد جو تعلیم یافتہ ' روشن خیال اور صاحب ذوق بھی کہے جاتے ہیں ' ضلع جگت یا رعایت لفظی پر سر دھننے کے لئے آمادہ رہتے ہیں اور یہ لکھنے والے کا اچھا خاصہ انعام ہے - لیکن میرا خیال ہے اور خود سید صاحب سے زیادہ اس حقیقت سے کون باخبر ہوگا کہ ایک اچھے لکھنے والے کا مخاطب صحیح شاعر ہوتا ہے ' مشاعرہ نہیں !

سید صاحب نے مضامین میں کبھی اپنا اصلی نام نہیں ظاہر کیا اور ایسا کیا بھی تو محض شاذ و نادر ' وہ ہمیشہ "انداز قد" سے پہچانے گئے اور یہی سبب ہے کہ ان کے مضامین کی فراہمی میں غیر معمولی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا - راقم السطور مولانا ظفرالملک علوی صاحب قبلہ کا سپاسگزار ہے کہ ان کی وساطت سے مضامین کے کچھہ اجزا ہاتھہ آگئے جن کا جستہ جستہ اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے :-

صاحب دین :-

" ....محققین عام (چاہے وہ قدیم نظامات ارسطا طالیہ و فیثا غورثیہ سے تعلق رکھتے ہوں ' یا اسکولات ہکسلیہ و ڈارونیہ سے) اس امر پر متفق ہیں کہ صاحب دین نوعی اعتبار سے حیوان ناطق کی ایک مضمحل سی شاخ ہے........صاحب دین نے ہوش سنبھالتے ہی ایک نظر میں تاڑ لیا کہ قدیم تہذیب و تمدن کا بوسیدہ ڈھانچ کلیتاً پھونکدینے کے قابل ہے - چنانچہ وہ اس کا قایل نہیں کہ اولاد پر والدین کے کچھہ حقوق ہوتے ہیں - اس کی نظر میں یہ محض اتفاق ہے کہ باپ باپ واقع ہوا ہے ورنہ ہوسکتا تھا کہ وہ باپ ہو -

وہ زیادہ سے زیادہ "پیارے باپ" کا مستحق ہے اور اگر زیادہ ترقی کی گنجائش ہو تو "وہ بڈھا بیوقوف" کافی ہے - بھائی ایک رقیب ہے جسکے مقابلہ میں اپنے حقوق کا تحفظ لازمی و لا بدی ہے - اصلی عزت و عظمت کی مستحق زوجہ ہے نہ کہ ماں........

جسطرح ہمارے یونانی اطبا نے آلو - انڈے - دھی اور دنیا بھر کے کھانے پینے کی چیزوں کا مزاج نکال لیا ہے اور درجہ قائم کرکے یہہ قرار دیدیا ہے کہ کون چیز کس درجہ میں گرم ہے اور کسدرجہ میں سرد - کسدرجہ تر ہے اور کسدرجہ خشک ' معلوم نہیں اسیطرح صاحب دین کو بھی اشیاء ماکول میں سمجھکر کسی طبیب نے اسکا مزاج بھی نکالا ہے یا نہیں - اگر نہیں تو اس فرو گزاشت پر افسوس کرتے ہوے فقیر اپنا اجتہاد پیش کرتا ہے کہ میرے تجربہ میں صاحب دین ایک مختلف المزاج و الکیفیت چیز ہے - تفصیل اسکی یہ ہے کہ ایک صاحب دین کا مزاج کسی دوسرے صاحب دین کے مزاج ساتھہ تو ہمیشہ گرم تر رہتا ہے مگر غیر صاحب دین کے ساتھہ سرد خشک اور غمہ اور ریل کے سفر کی حالت میں گرم خشک ہوجاتا ہے اسیطرح کسی دوسرے صاحب دین کے لئے چاہے وہ فہرست چندہ لے کر آئے یا دعوت چائے ' ایک صاحب دین ہمیشہ سریع الفہم ہے مگر غیر صاحب دین کیلئے چاہے وہ خفیف سی خفیف درخواست ہی لے کر آئے وہ نہایت بطی‌الفہم ہے........"

انگلستان پلٹ[۱] صاحب دین کو لندن سے ناگفتہ بہ محبت ہے - اپنے

---

۱ - "انگلینڈ ریٹرنڈ" (England returned) کیلئے انگلستان پلٹ سے بہتر لفظ مجھے نہیں ملسکا اسلئے میں انجمن ترقی اُردو سے عموماً اور مولانا وحیدالدین صاحب سلیم سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس لفظ کو وہ اپنے آغوش استعمال میں لے لیں - اس لفظ میں حالت مفعولی کے علاوہ حالت فاعلی کا بھی پہلو نکلتا ہے - چنانچہ سال پلٹ کے ساتھہ ہی کایا پلٹ بھی ملحوظ رہے '' -

قیام لندن کے واقعات کو بیان کرتے وقت اسکی زبان سے غیر معمولی طلاقت؟ اسکی آنکھوں سے غیر معمولی چمک' اور اسکے چہرہ سے غیر معمولی مسرت آمیز حسرت یا حسرت آمیز مسرت برسنے لگتی ھے اور آخر کار وہ بے تاب ھوکر کہہ اتھتا ھے "پیارے پیارے اولڈ لنڈن ' کسقدر میں چاھتا ھوں کہ تیری آغوش میں جان دوں" عشاق کا اپنے محبوب کے قدموں (یا ذرا گستاخی سے کام لے کر) اس کے آغوش میں جان دینا تو دیوانوں کا پامال مضمون ھے۔مگر صاحب دین کی اس تمنا میں ایک خاص نکتہ یہ ھے کہ وہ اگرچہ معاد کا قایل نہیں ھے اور اسے یقین ھے کہ ثواب وعذاب' حشر و نشر اور حیات بعدالموت مذھب کی سخن سرائی ھے لیکن آخر وہ مشرقی ھے ' بچپن کی بات کان میں پڑی دل سے مشکل سے نکلتی ھے ،اسلئے ڈرتا ھے کہ مبادا مشرق میں یہ باتیں سچی ھوں اور یہاں سے جانے والوں کیلئے وھاں روک ٹوک اور قرنطینہ ھوتا ھو - مگر لنڈن والوں نے راہ اور مقامات کے موانعات صاف کر لئے ھونگے وھاں کی معرفت جانے والوں سے فرشتے تعرض نکریں گے - یوں تو ھر صاحب دین کا ایک ھی مذھب ھے یعنی یہ کہ مذھب قابل اعتنا نہیں لیکن عموماً دو گروہ ھیں - ایک وہ جنھوں نے بچپن میں پائجامہ پہنا ھے اور ایک وہ جنھوں نے دھوتی باندھی ھے - اب دونوں گروھوں میں سے جو صاحبدین کونسل یا میونسپلٹی کا ممبر ھوجائے تو پاجامہ اور دھوتی میں آویزش رکھنا وہ سب سے بڑی مذھبی خدمت سمجھتا ھے - چنانچہ کونسل یا میونسپلٹی میں اس قسم کے سوالات صرف اُسی کی ذات سے مذھب کی اعانت کا باعث ھوتے ھیں :-

۱ - کیا گورنمنٹ مہربانی کر کے بتائیگی کہ فلاں محکمہ کے چپراسیوں کی تعداد اسکے ھم مذھب افراد کی مردم شماری کے تناسب سے کیوں کم ھے ؟

۱ ـ میونسپل بورڈ نے اس سال جو نابدان بنائے ہیں انمیں سے اسکے ہم مذہب افراد کے ایک محلہ کی نالي ہے چند نیم پختہ اینٹیں لگانے سے اسکي ہم مذہب سکنا ء ' محلہ کي بڑي حق تلفی ہوئي ہے ـ بورڈ کو چاہئے کہ وہ اینٹیں نکلوا کر سرخ پختہ اینٹیں لگوا دے ـ

شیخ سماءاللہ کي صاحبزادیاں :ـ

" یہ جو پان کھائے آنکھوں میں سرمہ' دانتوں میں مسّي' اور ہاتھوں میں مہندی لگائے' ڈھیلا ڈھالا کرتہ پائجامہ پہنے' ہلکا دھانی دوپٹہ اوڑھے قطب کو پیٹھ کئے تکیہ لگائے بیٹھي ہیں آسیہ بیگم ہیں جو عمر و تجربہ کے اعتبار سے' چال ڈھال کے اعتبار سے' شکل صورت کے اعتبار سے' قدوقامت کے اعتبار سے سب میں بڑی ہیں اور اِسی لئے سب بہنیں اِنہیں بڑي آپا کہتي ہیں ـ قیافہ بتا رہا ہے کہ بچپن اور جواني کے دوپن عیش و آرام اور مسرت و اطمینان سے گزرے ہیں' تیسرا پن یعني بڑھاپا آیا تو آلام و افکار کو ساتھ لایا' جنھوں نے کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا ـ مگر ضبط کہتا ہے" خبردار جو ایک حرف بھي زبان سے نکلا " چنانچہ آفریں ہے اس کوہ وقار کو کہ چھاتي کے کواڑ بند کئے دل میں حسرتیں اور مُنھہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھي ہیں ـ مجال کیا جو دل کا ترجمان زبان کو بنائے ـ آسیہ بیگم کے داہنے ہاتھہ پر جو سیہ فام خاتون آدھی ساري باندھے آدھي اوڑھے' سر کے جھلسے اور اینٹھے ہوئے بالوں میں کوڑیوں اور جھوٹے موتیوں کي لڑیاں لٹکائے' گلے میں کہربا کے دانوں کي مالائیں' ہاتھوں میں عاج کي چوڑیاں اور پاؤں میں چپلیں پہنے بیٹھي ہیں اور جو سب میں زیادہ مفلوک الحال اور شکستہ بال معلوم ہوتي ہیں آفري خانم ہیں جنھیں آسیہ بیگم تو افري افري کہتي ہیں مگر باقي اور بہنیں سانولي آپا کہکر پکارتي ہیں آفري خانم کے داہنے ہاتھہ کو جو دھاري دار سایہ پہنے ٹوپ اوڑھے عینک لگائے ناک بھوں چڑھائے سب سے زیادہ متین یا مغرور مگر یقیناً سب سے

زیادہ متسول الگ بیٹھي بلکہ لیٹي هیں یہ امری خانم هیں جنھیں آسیہ بیگم تو امري اور باقي بہنیں نئی باجی کہکر پکارتي هیں۔ آسیہ بیگم اور افري خانم کے سامنے اور امري خانم کي طرف منھہ کئے جو نیم مشرقي نیم مغربي وضع بنائے ننگے پاؤں ساري باندھے چھوٹا کوٹ پہنے کالر لگائے ٹوپ اوڑھے بیٹھي هیں ''یہ برعکس نہند نام زنگی کافور'' حسینہ بیگم هیں لیکن پانچویں جو یقیناً سب سے چھوٹي هیں آسیہ بیگم کے داهنے هاتھہ سے کچھہ فاصلہ پر مغرب کي جانب افری خانم کے پیٹھہ پیچھے کھڑي هوئی هیں۔۔۔۔۔۔ روپا بیگم هیں ''

اسکی فرهنگ بقول سید صاحب ''برخوردار طولعمرہ'' نے یوں پیش کردی' ایشیا سب سے بڑا براعظم ہے' افریقہ ایشیا سے مغرب کي طرف ہے اسے تاریک براعظم کہتے هیں ' امریکہ سنہ ۱۴۹۲ ع میں دریافت هوا اس لئے نئي دنیا کہلاتا ہے اوشنیا ایشیاء کے جنوب و مشرق میں واقع ہے - یورپ سب سے چھوٹا بر اعظم ہے ۔''

اوروپا :- بڑی آپا سلام -

آسیہ :- جیتي رهو ٹھنڈي سہاگن' دعا دینے کو تھي کہ دودهوں نهاؤ پوتوں پھلو - مگر درخواست سے پہلے هي منظوري کا اثر دیکھہ رهي هوں - خود نہانا تو کوئي بات نہیں تم دودھہ سے دوسروں تک کو نہلوا رهي هو* ماشاء اللہ وہ کثرت ہے کہ گاڑیوں میں بند هو هوکر ایرا غیرا کے گھر پہونچ رها ہے - پوتوں کي یہ کیفیت (بھئي برا مت مانیو میں هونسني نہیں اور تمہاري سگي بہن هوکر بھانجوں کو هونسوں تو مجھہ خالہ پر تف ہے) اپے گھر کا

---

* ملحفظہ هو ' ملک سوپ ' یعني دودھہ کا صابن ۔

تو ذکر کیا دوسروں کے گھروں میں ایسے پھل رہے ہیں
جیسے کڑوی تومڑی -
روپا :- یہ سب آپ بزرگوں کی دعا کا اثر ہے -
آسیہ :- کہو بہن برطو' فرسو' سلفو' املو کہاں تک نام لوں
سب بچّے بچی اچھے ہیں -
روپا :- جی ہاں سب اچھے ہیں -
آسیہ :- برطو بیچارہ تو بڑا گئو ہے - فرسو بانکا چھیلا ہے
سلفو متافیل ہے......سنا ہے گھنّا ہے' املو کو میں نے
عرصہ سے نہیں دیکھا ہے پچھلے دفعہ جب تم لیکر آئی
تھیں تب تو بڑا شریر اور چلبلا تھا....ہونہار اور
چونچال ایسا تھا کہ دونے کو پچھاڑے -
روپا :- جی ہاں' اینو بڑا ہوگیا ہے' جھگڑالو بہت ہے' بھائیوں کو
چین نہیں لینے دیتا' اپنے برطو' فرسو' سلفو کو تو
ایسا ہلا لیا ہے کہ ہر وقت آپ ہی کے پاس بیٹھے
رہتے ہیں - میں بھنیرا بلواتی پکڑواتی ہوں مگر آپ
کا گھر ایسا بھایا ہے کہ ہٹنے اور ٹلنے کا نام ہی
نہیں لیتے -
آسیہ :- اے ہے ٹلنا کیسا' آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک' ماں
اور خالہ میں فرق ہی کیا ہوتا ہے - سنا نہیں
"ماں مرے ماسی جئے" ہاں اتنی بات ضرور ہے
کہ تمہارے یہاں کا سا عیش مجھہ غریب کے گھر کہاں -
روپا :- آپا! برا نہ مانو تو کہوں -
آسیہ :- شوق سے کہو بڈھوں کے اچھا برا ماننے کی پروا' جوان
نہیں کیا کرتے -

روپا :- آپ کے گھر میں اسقدر غربت نہیں جسقدر بدتمیزي '
پھوھڑپن اور گھلون پن ھے - کسیکو کھانے کا سلیقہ نہیں '
پھلنے کي تمیز نہیں ' انتظام کي عقل نہیں '

آسیہ :- (آہ سرد بھر کر) ھاں بہن سچ کہا ' خدا کي شان ' کبھي
ھم ھي آس پڑوس میں تمیز والے سمجھے جاتے تھے '
سینا پرونا ھم جانتے تھے ' کھانا ' کھانا پکانا ھم جانتے
تھے ' آج پھوھڑ ھم ' بد تمیز ھم ' گندے ھم ' گھلونے ھم '
مگر اسکي وجہ جانتي ھو ' آیا پیسہ آئی مت '
گیا پیسہ گئي مت - گانٹھہ میں دام تو سب کریں سلام "

موجودہ دور میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادي ' مولانا ابوالکلام آزاد ' مولانا ظفر علي خاں اور قاضي عبدالغفار ' طنزیات میں ید طولیٰ رکھتے ھیں ھر ایک کا نشانہ طنز' انگریز' انگریزی حکومت اور انگریزیت ھے - علحدہ علحدہ ان کے کلام اور مضامین پر اظہار خیال کرنا طوالت کا باعث ھوگا - راقم السطور کا خیال ھے کہ ان کے تمامتر مضامین یا مسالک کا خلاصہ یہ ھے -

مولانا عبدالماجد کي طنز میں تلخي اور زھرناکي کا عنصر غالب ھے اور ان سب پر بقول سید سلیمان ندوي صاحب " مولویت " طاری ھے - ان کي طنزیات پوپ کي طنزیات کا نمونہ ھیں - یہ اُردو کے لینگلینڈ بھي قرار دئے جاسکتے ھیں جن کو جماعت کے موجودہ اور مقررہ نظام میں عافیت اور جمعیت کا کوئي شائبہ نظر نہیں آتا - برخلاف اس کے ظفر علي خاں ھیں جن کے ھاں شدت ھے ' لیکن زھرناکی کا گزر نہیں - ظفر علي خاں کي طنز میں عملاً قوت اور بیداري پائي جاتي ھے - ان کي تحریروں سے پتہ چلتا ھے کہ وہ اپني طنز کو منوا بھي سکتے ھیں - ان کے یہاں

بد دعائیں یا عذاب الہم کی "بشارتیں" نہیں ملیں گی - وہ "تپش" کے قائل ہیں "تپشیا" کے نہیں، یہی کیفیت ابوالکلام کی ہے - لیکن ظفر علی خاں اور ابوالکلام جہاں ایک دوسرے سے علحدہ ہوجاتے ہیں وہ بھی نمایاں ہے - ابوالکلام کی مثال اس پہلوان کی ہے جو وسط میدان جنگ میں "مبارز طلب" ہو اور دوسروں کا نہیں بلکہ اپنے رجز سے خود اپنا دل بڑھا رہا ہو - ظفر علی خاں صرف "آرڈننس شکنی" پر آمادہ نظر آتے ہیں - ان کی رجز میں تھوڑا سا حسن طلب بھی ہوتا ہے اور یہ طلب ممکن ہے کبھی اپنے ہی اعوان و انصار سے ہو پھر غیر موجود یا غیبی طاقتوں سے - وہ دوسروں کو آمادہ کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اپنی آمادگی سے بحث نہیں - تیسری طرف قاضی عبدالغفار ہیں - ان کی طنز ایک حد تک "ڈرائنگ روم" کی طنز ہے - نہایت نازک، نہایت ستھری، نہایت حسین، تیز چمکتی ہوئی، جیسے کسی ماہر فن کے ہاتھ میں عمل جراحی کے لئے ایک نشتر ہو! ان کی طنز ایک طور پر کتابی طنز ہے، پڑھئے اور انشا پرداز کو داد دے لیجئے-نہ ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی آمادگی کی حاجت!

ان تمام خیالات کو اور مختصر کیا جا سکتا ہے مثلاً مولانا ماجد، اصلاح سے مایوس، ابوالکلام اصلاح سے بے نیاز، ظفر علی خاں آمادۂ اصلاح، قاضی عبدالغفار ان سب کے حد اوسط!!

مولانا عبدالماجد صاحب بی، اے، دریابادی

ماخوذ از "سفر حجاز"

"بمبئی ہندوستان کا شاید سب سے بڑا "یاجوجی" شہر ہے، لندن اور پیرس، نیویارک اور شکاگو کی زیارت سے جو لوگ مشرف نہیں ہوئے ہیں وہ اُنکا ایک ہلکا سا نمونہ بمبئی میں دیکھ سکتے ہیں -

ویسي هي هر طرف آسمان سے باتیں کرنیوالي اونچي اونچي عمارتیں ' وهی روپیه کي گرم بازاري' وهي دوکانداري میں انہماک' وهی عیش کي فراواني' وهی چسنیاو نفس پرستی' وهي برق و دخان کي پرستاری' وهي ملوں انجنوں اور کارخانوں کا زور' وهي ریل ٹریم اور موٹر کاروں کا شور' وهي صبح سے لیکر رات تک اور شام سے لیکر صبح تک چیختے اور چلاتے هوے شور مچاتے اور دهواں اُڑاتے' ڈهکیلتے اور کچلتے هوے یاجوج کي بے چینی اور بے قراري' بهاگ دوڑ' شور وغل' چیخ پکار' شورش و اضطراب' دن کو چین نه رات کو سکون' اور اسی کا نام اس دور یاجوجي میں "ترقی" و "تہذیب" هے - حیرت صرف اسپر هے که اس غلبه یاجوجیت کے باوجود اب تک یہاں کي مسجدیں کیونکر اسقدر آباد و پر رونق هیں اور اتنے نمازي اور دیندار مسلمان یہاں کیسے نظر آتے هیں "

"....آج یه مهیب اور لق و دق سمندر' اور کرهٔ ارض کے سارے معلوم سمندر' یا جوج کے قبضه میں هیں وهجسےچاهے اسمیں جهاز اور کشتي چلانے کي اجازت دے اور جب جسکو چاهے الله کی کاریگري کے اس نادر نمونه سے فائده اُٹھانے سے روک دے ! خلق خدا کي هو تو هو لیکن سمندر اور سمندروں کے بندرگاه ' جهاز اور اُنکے پهریرے ' محکمه بحري اور خداوندان بحر ' تارپیڈو اور ڈرڈنات ' کروزو اور ڈسٹرائر ' آج هانکے پکارے کہه رهے هیں که امر ' اور ' حکم ' (نعوذبالله) یاجوج کا هے - پهر اگر ایسي حالت میں آپ کسي سچے کا قول سنتے هیں که "یاجوج و ماجوج سمندر کا پانی پی جائینگے " تو آپ اس پیشینگوئي کے پوري هونے کے لئے کسی زمانه مستقبل کا کیوں انتظار کرنے لگتے هیں "-

"......ایک روز یه سارا بحراعظم یا سارا لق و دق سمندر موجیں مارتے هوئے پانی کے بجائے آگ کے لپکتے هوئے شعلوں اور

دھوئیں کے تیرہ و تار بادلوں میں تبدیل ہو کر رہے گا - یہ دن وہ ہوگا جب یاجوج اپنے مایہ ناز جنگی جہازوں اور آبدوز کشتیوں ، اپنے تیل کے چشموں اور اپنے پٹرول کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلوں سے ، لنکا کے راون کی طرح خود ہی جل رہا ہوگا - اور جب اسکی حرص و ہوس اسکی ملک گیری اور زرپرستی، قیصریت (امپریل ازم) اور کیپٹل ازم (سرمایہ داری) کے انگارے سمندر میں آگ لگا لگا کر خود اسی مادی دنیا میں اسے دوزخ کا نمونہ دکھا رہے ہونگے ! یہ وہ دن ہوگا جب ارشاد ربانی و انفجار سجرت کی تفسیر و تاویل کے لئے نہ تفسیر کے اوراق الٹنے کی ضرورت ہوگی نے اہل لغت کے کلام سے سند لانے کی بلکہ عالم و عامی سب اپنے آنکھوں سے مجاز کا نہیں حقیقت کا مشاہدہ کرلینگے - آج یاجوج کو مہلت ہے آج وہ جتنا بھی چاہے ہمارے دلوں اور دماغوں کو ہماری عقلوں اور ذہنوں کو، ہماری آنکھوں اور کانوں کو اپنے اقبال و حشم سے اپنی تہذیب اور تعلیم سے ، اپنے علوم اور اپنے فنون سے ، اپنے ڈاکٹروں اور اپنے انجینئروں سے ، اپنی سائنس اور اپنے آرٹ سے اپنی توپوں اور اپنی رائفلوں سے ، اپنی مشین گن اور اپنی سنگینوں سے ، اپنے خزانوں اور اپنے طیاروں سے مرعوب اور مخبوط اور مفلوج کرلے لیکن یہ ملہت سدا رہنے والی نہیں اور کسے خبر کہ پردہ اٹھنے کا وقت قریب ہی آن لگا ہو ؟؟

''......دعا کے الفاظ بہتوں نے دھرائے ہونگے - خدا معلوم کسی کے دل سے ان قوموں کی بھی تباہی و بربادی کی دعائیں نکلیں جو آج چودھویں صدی ہجری میں کعبہ اور رب کعبہ کی

عداوت میں اُس پرانی اور برباد شدہ قوم سے کیسی بڑھی ہوئی ہیں ، جنکی جلدیں سفید ہیں مگر جن کے دل عداوت جرم میں حبشہ اس قوم کے چہروں سے کہیں زیادہ ہو چکے ہیں اور جن کو ابرہہ کے ہاتھیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر آج اپنے توپ خانوں ہوائی جہازوں اور مسلح موٹرکاروں پر دعویٰ اور غرہ ہے ؟ "

مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں خطیبانہ جوش و ہیجان ہے اس باب خاص میں اُن کا مسلک جوونل سے ملتا جلتا ہے - اُنہوں نے طنزیات میں خطابت کا نہایت شاندار ، پرزور اور حیات‌آفرین نمونہ پیش کیا ہے - اُن کی تحریر فن انشا و ادب میں ڈرامہ کی حیثیت رکھتی ہے ، ہر لفظ ، فقرہ یا خیال ایکٹر معلوم ہوتا ہے جس میں قوت بھی ہے اور حرکت بھی ، نمونہ حسب ذیل ہے -

" بے شک مدتوں کے بعد بلند توتے جس کو کفر کہا تھا اُس کے ثواب و طاعت ہونے کا فتوی دینا پڑا - لیکن کیونکر اپنی قوت سے ، اپنے دماغ سے ، اپنی ہستی اور اپنی روح سے ، یہ نہیں بلکہ ، ع -

این ہم بسعی غمزۂ مردم شکار دوست !

پہلے جن کے حکم سے گمنامی کے غاروں میں چھپے تھے اب اُنہیں کے حکم سے باہر نکلے تاکہ مندر میں جاکر اُن کے آگے سر بسجود ہوں - بے شک شملہ ڈیپوٹیشن کے تماشہ کے بعد اُس کا آخری پارٹ کھیلا گیا اور اُس کا نام لیگ رکھا گیا - لیکن اگر تم ایک برف‌خانہ بناکر اُس کا نام آتشکدہ رکھدوگے تو کیا برف کی سل آگ کا انگارہ ہو جائے گی..........پالٹیکس ایک

آگ ہے جو خود بھڑکتي ہے اور پھر بھڑکائي جاتي ہے ' وہ برف کا گلاس نہیں ہے جو کسي سرد مہر ساقي کي بخشش پر موقوف ہو.........ہندو مسلمان کا سوال بھي ایک بازیگر کا کھیل ہے اور بدبختي سے ناچنے والے ناچ رہے ہیں ' فوج میں پھوٹ پڑ گئي ہے اور غنیم مطمئن ہے - یہ خیال کہ تم نے ابھي تعلیم میں نہیں ترقي کي ہے اِس لئے تمھاري پالٹیکس یہی ہے کہ پہلے ہندؤں سے اپنے غصب کردہ حقوق چھین لو ' غور کرو حریف شاطر کي کس قیامت کي چال تھي -

وہ رھزن اور پھر ایسے کمین سے ؟؟ !

" سب سے پہلے یہ ہوا کہ ملک میں کام کرنیوالي اصلي جماعت یعنے ہندوؤں سے مسلمان علحدہ ہوگئے اور اس طرح عرصہ تک کے لئے ملکي مطالبات کی فتحیابي سے گورنمنٹ مطمئن ہوگئي ساتھہ ھي اسکے یہ بھي ضرورت تھي کہ ان کو بےکار نہیں رہنا چاھیے ورنہ بے کاري سے اُکتاکر راستہ کي تلاش میں ضرور نکلیں گے - کوئي مشغلہ ایسا ہونا چاھیے - جو عرصہ تک انکو اپنے میں الجھائے رکھے اور اصلي کاموں کی طرف متوجہ ہونے کي فرصت نہ دے - تعلیم کو مسلمان پہلے سے تجے بیٹھے تھے (اور یہ خیال في نفسہ غلط نہ تھا) اسلئے اسي اعلیٰ تعلیم کے بال و پر کو پھیلا کر ایک ایسا الف لیلہ کا عجیب اُلخلقت پرند بنا دیا جو اپنے پروں کو کھولدے تو سورج کو زمین کي طرف جھانکنے کے لئے کوئي سوراخ نہ ملے - مسلمانوں نے اس عجیب و غریب مرکب کو براق سمجھا اور یقین کرلیا کہ ھمارے سفر معراج کیلئے آسماني سواري اتری ہے - چالیس برس گذر گئے اب تک اس مرکب کی لگام ویسی ھي ڈھیلي ہے جیسے پہلے دن تھي اور منزل لامکاني

کا پتہ نہیں - قوم کی وہ قوتیں جو یقیناً زمانہ کے قدرتی اثرات سے متاثر ہوکر ملکی تحریکوں میں صرف ہوتیں تمامتر صرف ایک اعلیٰ تعلیم کے شور و واویلا کے پیچھے متادیگئیں اور جبکہ ہم سے ایک دیوار کے فاصلے پر ملک کی جائز آزادی ' ملکی حقوق کے مطالبات ' اعلیٰ قوانین کی ترمیم و تنسیخ ملکی نظم و نسق کے مباحث اور افکار کی سرگرمیوں میں ہمسایوں کے جذبات و امیال صرف ہو رہے تھے ' ہم اپنی کانفرنسوں ' اپنے بڑے بڑے مجمعوں ' اپنی شاندار تقریروں ' اپنے قومی اخباروں کے صفحوں کے اندر صرف ایک افسانہ تعلیم کی سرد لاش اٹھائے پھرتے تھے '' -

---

"لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں ' آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی ایسی اشد ہدید ابلیسیت تو کسیکو بھی نصیب نہیں ہوئی - زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بہت بنائے اور اژدھوں نے پھنکاریں ماریں ' مگر نہ تو ایسی درندگی ابھی تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدھا پیدا ہوا جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس تسلے ' نگلنے ' اور چیرنے پھاڑنے کیلئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں - پھر اس اژدھے کو دیکھو جو جنوب سے منہہ کھولے بڑہ رہا ہے ' اس ہاتھی کو دیکھو جو مشرقی یورپ کے بہت سے چیختا ہوا اٹھا ہے ' اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو لامارک اور روسو کی سر زمین میں خون اور گوشت کیلئے پلا ہے یہ کیسے عجیب ہیں ! یہ کیسے خوفناک آلات سے ملسم ہیں ؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیرنا پھاڑنا کرہ ارضی

کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا ' ایسا بھونچال جو کبھی نہیں
آیا ' ایسا طوفان جو کبھی نہیں اٹھا - ایسی آتش فشانی جو
کبھی نہ ہوئی - اور خداوند کا ایسا غصہ جو اب تک کبھی زمین
پر نہ ہوا...... پس ضرور تھا کہ غرور و طغیان کی کوئی حد
ہوگی ' عجب نہیں کہ مہلت ختم ہوگئی ہو اور کچھہ اچنبھا
نہیں اگر ارض الہی کے امن کے لئے ' بندگان خدا کی راحت
کے لئے اور کمزوروں کو سکھہ کی نیند سلانے کے لئے انکا خون
انہیں کے ہاتھوں بہایا جائے جنھوں نے دوسروں کا خون اپنے
ہاتھوں بہایا اور اسطرح عدالت الہی ان قوتوں کا حساب لے جو
صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں.......
پس یہ ہے اُس مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ہے
اور یہ ہے وہ پاک امانت جو " شہزدۂ امن " نے اپنی
نسل کو دی تاکہ وہ آسمانی بیٹے کے باپ کہلائیں "

مولانا ظفر علیخاں لاہور -

" ......انصاف اور رحم کے جذبات نے اگر جہاں کشا
اقوام میں سے ایک آدھ کے سینہ میں پرورش پائی ہو تو یہ
فسانہ عہد قدیم کی ایک دل آویز فصل ہے جو صرف آرائش
سخن کا کام دے سکتی ہے ورنہ آج انصاف کہاں اور رحم کیسا ؟
یہ دونوں الفاظ تو تہذیب جدید کی لغات میں سرے سے مفقود
ہیں یا اگر ہیں تو شرمندہ معنی نہیں - آج دنیا کا نظام
حکومت جن اخلاقی قوتوں کی بنیاد پر قائم ہے وہ غرق آہن
جہاز ہیں اژدردم توپیں ہیں ' فلک پرواز طیارے ہیں -
قطار اندر قطار عسکریوں کی جگر گزار سنگینیں ہیں - صف

اندر صف پولس کي جمعيته فرسا لاٹهياں هيں جن سے جابرانه قوانين کي هيبت زيردستوں کے قلوب ميں بٹهائي جاتي هے.........

ملوکيت کا يه عفريت لعين جسلے عسکريت کي گود ميں پرورش پائي هے آج ربع مسکوں پر چهايا هوا هے اور ناتوانوں کے جسم کي بوٹياں نوچ نوچ کها رها هے' مغرب اس خونخوار ديو کا زاد بوم تها - کاش يه اپنے هی وطن ميں رهتا مگر اسلے ايشيا کو بهي اپنا گهر بنالیا اور اس وقت مشرق اقصیٰ اسکي جهنمی سرگرمیوں کا مرکز بنا هوا هے - ۱۸ ستمبر سنه ۳۱ع کي خونچکاں تاریخ چین کے چالیس کروڑ باشندوں کو مدتوں نه بهولےگی اس لئے که اس‌دن ان کي فوجي کمزوريوں سے فائده اٹها کر جاپان کے عسکريت پرستوں نے جن کی نخوت کا سر روس کو نيچا دکهانے کے وقت سے آسمان تک اونچا هوگيا هے کسي قسم کا الٹي ميٹم دئے بغير' کوئي معقول حجت پيش کئے بغير دفعةً ایک هی بے جگرانه تاخت ميں.........اور تمام دوسرے اهم جنگي نقاط پر قبضه کر لیا اور اس بدعهدانه يلغار ميں قتل و غارت کے ایسے ایسے آدميت سوز نظارے دنيا کو دکهائے جو زمانهٔ قديم ميں يا تو چنگيز اور هلاکو نے دکهائے تهے يا حال ميں يورپ کے سورماؤں نے دکهائے هيں" -

---

"........زيرسايه همايايه برطانيه هندوستاني رياستوں کي اندروني آزادي کي کيسي دلکش تصوير هے ! واليانِ رياست هائے هند کے ناموس فرمانروائي کي حفاظت کاکيسا شاندار ادعا هے - مگر يه ساري دلخوش‌کن باتيں کچهه حقيقت بهي رکهتی هيں يا چند الفاظ کا محض ایک نظرفريب مجموعه هے جس سے لندن کا

ہزارشیوہ‌سداری والیانِ ریاست ہائےہند کو نظربند کرنا چاہتا ہے !!

ہندوستان میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن ہے جو رقبہ میں فرانس کے برابر ہے ۔ جسمیں خدا کی ایک کروڑ چالیس لاکھ مخلوق بستی ہے جسکے عہد ماضی میں برطانوی ملوکیت کے قصر فلک بوس کی بنیادیں اپنے خون کے گارے سے ہندوستان میں استوار کیں..........مگر دکن کا ایک پتہ بھی وائسرائے ہند کے حیدرآبادی گماشتہ یعنی رزیڈنٹ کی مرضی بغیر ہل نہیں سکتا دکن کا فرماں‌روا آصف جاہ ہفتم نہیں بلکہ اس وسیع و عریض مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک جناب حیدری ہیں یعنی جناب ٹرنچ ہیں یعنی جناب رزیڈینٹ ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعنی خود بدولت و اقبال جناب ریمزے مکڈانلڈ ہیں..........اب جنوب سے شمال کی طرف آئے ۔ کشمیر کی ریاست رقبہ میں یورپ کی چھوٹی چھوٹی مملکتوں کو شرماتی ہے جسکی آبادی بلغاریہ کی آبادی کے برابر ہے جسنے انگریزوں کی ملوکیت کے آستانہ پر ہمیشہ سجدہ کیا جسنے اپنی حلیفانہ فرائض کی انجام وہی میں ہر طرح کی مالی اور جانی قربانیاں آئے دن پیش کیں..............کشمیر کا فرماں روا آج مہاراجہ ہری سنگھ نہیں بلکہ جناب راجہ ہری کشن کول ہیں یعنی جناب گلسنی ہیں یعنی جناب لٹمیر ہیں یعنی جناب لارڈ ولنگڈن ہیں یعنی خود جناب ریمزے میکڈانلڈ ہیں ۔

برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہندوستان کے دیدۂ فراست میں لنڈن کے چوراہے کی خاک کی مٹھیاں بھر بھر کر جھونکنے

کے بجائے اگر سچی بات خواہ وہ کیسی ہی کڑوی کیوں نہ ہو کہدیا کریں تو ہمیں کوئی شکوہ نہ ہو غصہ اگر آتا ہے تو اس بات پر کہ زہر دیتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ اسے شہد سمجھو ' غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہیں مگر اصرار کرتے ہیں کہ اسے آزادی کا گجرا تصور کرو -

کاش حکومت انگریزی کو اپنے قول اور فعل میں تطابق پیدا کرنے کا خیال بھی کبھی آجائے کاش اس کا باطن بھی وہی ہو جو کبھی کبھی اسکا ظاہر ہو جایا کرتا ہے "

" ہنوز دہلی دور است " (از ظفر علی خاں) -

کشمیر ہے کہیں تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے
ہے تار تار پیرہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بیگُلھی چور چور ہے
زینت ہے اس زمانہ میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قویم جو خیرالامور ہے
ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کی عقل کے اندر فتور ہے
لکھی ہوئی ہیں سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے 'ست بچن' کہیں تو کہیں 'جی حضور' ہے
آپس کی پھوٹ کر کے رہیگی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ ! کب ہمیں اتنا شعور ہے
لندن کی گول میز کو یاروں نے جا لیا
لیکن یہ قافلہ ابھی دہلی سے دور ہے

اسوقت تک اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ تیراھي قصور ہے

فریاد جرس'' :—

کل کہہ رہے تھے ایک محب وطن بزرگ
ہندوستان رہنے کے قابل نہیں رہا
انساں سے چھین لي گئي آزادئی ضمیر
ایلیٰ کے ناقہ کے لئے محمل نہیں رہا
تھا دشنہ حق کا تیز بھي خونریز بھي مگر
کچھہ دن سے در خورِ رگ باطل نہیں رہا
لندن کی عافیت کبھی جس سے ہوئي تھي تنگ
زنداں میں اب وہ شور سلاسل نہیں رہا
سچ اور جھوٹ میں نہیں باقي رہی تمیز
اور امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا
میں نے دیا جواب کہ ہیں یہ گلے فضول
جب سب ہیں عالم اور کوئي عامل نہیں رہا
ہم آپ اپني راہ کے سنگ گراں بنے
رہرو کو فکر دوری منزل نہیں رہا
جو کوشش آشتی کي ہوئي رائگاں گئي
اور کوئي اتحاد کا قائل نہیں رہا
پھر کس لئے یہ شکوہ کہ لطف خدائے پاک
ہندوستان کے حال کو شامل نہیں رہا

لیکن یہاں اس امر کا اظہار ضروري ہے کہ اس قسم کي نظموں کي بہترین مثال علامہ شبلي مرحوم کے ہاں ملتي ہے - میرا ذاتي خیال ہے کہ لطیف طنزیہ نظمیں لکھنے کا سہرا

علامہ مرحوم کے سر ہے بایںہمہ یہ کہنے میں بھی تامل نہیں ہے کہ جہاں تک اس صنف کلام کا تعلق ہے مولانا ظفر علی خاں ، علامہ شبلی کے تنہا اور بہترین متبع ہیں !

علامہ شبلی مرحوم کی بعض نظمیں ہدیہ ناظرین ہیں ۔

'' سوت ایبل ' سلف گورنمنٹ :—

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
کہنے لگے ہیں سب کہ سیاست کا یہ نظام
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
تقسیم مشرقی نے عیاں کردیا ہے سب
جو شاہراہ حق میں نشیب و فراز ہے
مجبور ہو کے لیگ نے الٹا ہے یہ ورق
جو سر بسر مرقعِ نیرنگ ساز ہے
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
سمجھے نہ یہ کہ سوت ایبل کی جو شرط ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پرُ فریب
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگرس
دونوں کا ایک عرصہ کچھ ترک و تاز ہے
جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے

جب تک ہیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
جب تک بہم یہ دور " قدم ہائے راز " ہے
احرار سے کہو کہ نہیں کچھہ امید صلح
مٹتا نہیں جو تفرقہ ارر امتیاز ہے
آزادي خیال پہ تمکو ہے گر غرور
تو لیگ کو بھي شان غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ :—

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلي ہاتھہ سے قوم
اک نیا روپ بھرا اس نے باانداز دگر
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسلیے خطاب
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ہمکو مفر
اک ذراسي مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہے
جس سے ہیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ ہو سوٹ ایبل
یا کہ موزوں و مناسب ہو باالفاظ دگر
جب کبھي کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگي
آپ اسي قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھي ہیں جادۂ مقصد کے وہي نقش قدم
اب بھي اوراق سیاست کا وہي ہے مسطر
یہ وہي لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب
یہ وہي لفظ ہے سرمایہ صد گونہ ضرر
آپ ہر بار جو بڑھ بڑھ کے پلٹ آتے ہیں
ہے اسي شیوہ تعلیم غلامی کا اثر

ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
جب کہیں بھی کوئی پہلوے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہریگی نظر
اسقدر سرد مزاج اور پھر اسپر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہونچ جائے نہ فالج کا اثر

لیگ کی عظمت و جبروت سے اِنکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے
کون ہے جو نہیں اس حلقۂ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رند مَےآشام بھی ہے
فیض اس کا ہے بہ‌اندازۂ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے درد تہ جام بھی ہے
کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجع خاص بھی ہے قبلہ گہِ عام بھی ہے
پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نو جوانوں کو صلائے طمعٔ خام بھی ہے
رہنمایاں نو آموز کا ہے مکتب درس
زینۂ فخر و نمائش گرئی عام بھی ہے
جن مہمّات میں درکار ہے ایثار نفوس
ان میں طرز عملِ بوسۂ و پیغام بھی ہے
مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہے خادم حکّامِ بھی ہے

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح 'صرف' میں ایک قاعدہ ادغام بھی ہے
اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہے درست
ورقِ سادہ بھی ہے کلک خوش اندام بھی ہے
چند بی اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقہ خدّام بھی ہے
ہو جو تعطیل میں تفریحِ سیاست مقصود
سفر درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے
یہ تو سب کچھ ہے، مگر ایک گذارش ہے حضور
گر چہ یہ سوء ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے
مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہے!

مسلم یونیورسٹی :—

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے
ہم تو ازل سے حلقہ بگوش نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیر قدم پائمال ہے
ہم نے تو وہ ثنا و صفت کی حضور کی
جو خاص شیوۂ صفت ذوالجلال ہے
آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر
یانتک تو ہم کو پاس ادب کا خیال ہے
اُردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبیں پر عرق انفعال ہے

دامن غبار حق طلبي سے رہا ہے پاک
یہ فیض خاص رہبر دیرینہ سال ہے
آیا جو حرّیت کا کبھي دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوش جنوں کا وبال ہے
اب تک اسي طریق پہ ہیں بندگان خاص
کو صحبت عوام میں کچھہ قیل و قال ہے
گردن جھکي ہوئي ہے زباں گو ہے شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے
الحاق سے کچھہ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے
یعني یہ پھیل کر نہ زمانہ کو گھیر لے
اب تک جو مختصر یہ علی گڑہ کا جال ہے
پھر بھي حضور کي نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھي گناہگار مرا بال بال ہے
اتني سي آرزو بھي پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں گے اور بھي کچھہ عرض حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئي تو یہ لب پر مقال ہے
حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسہ
وہ درسگاہ روئے وفا کا جو خال ہے

قاضي عبدالغفار صاحب مرادآباد :—
(ماخوذ از نقش فرنگ) -
"........جب تخیل کي پستي کا یہ عالم ہو اور نظر

اسقدر محدود ہو کہ پی اینڈ او کمپنی کے پانی پر تیرنے والے عشرت محل میں چند روز سفر کرنا اور چند روز انگلستان اور پیرس کی تہذیب و تمدن کی میناکاریوں سے متمتع ہونا بھی ایک مجاہدہ قرار پائے تو جان لیجئے کہ اُس قوم کا مرض پرانا ہے اور اب علاج محض گرمئی سخن سے نہ ہوگا - کچھہ آج نہیں میرے دل میں یہ خیال اکثر آیا ہے کہ آخر یہ تماشے کب ختم ہونگے - تماشاگاہ میں ہر شب کو تاج‌الملوک بکاؤلی کے سرھانے پہنچ جاتا ہے لیکن صبح کو جب تماشہ ختم ہوا تو اُس تاج الملوک نے بھی رات کے رنگ‌روغن کو گرم پانی سے دھو ڈالا اور بکاؤلی کے نرگس شہلا کا بھی سرمہ بہہ گیا ! اس بدنصیب براعظم کے تماشاگاہ میں شب و روز یہ تماشے ہو رہے ہیں، لمبی تانیں، بلند آوازیں، بہت سے خوبصورت ہار اور گلدستے، پھولوں سے لدی ہوئی گاڑیاں اور جلوس - قوم کی بیداری کی روشن دلیلیں یہ ہیں ! خدمت و مخدومیت کا تخیل وہ تاج الملوک ہے جس نے بکاؤلی کو محض خواب میں دیکھہ لیا ہو اور ایک کاغذ کا پھول بنا کر دکھاتا پھرے کہ یہی میرا گُلِ مراد ہے ! ''

''........بہت سے دولت‌مند عرب بھی دیکھے جو اپنی موٹروں میں اُڑے پھر رہے تھے - کیا یہ بھی عہد نبوت کے ان شتر بانوں کی نسل ہے جو ناقۂ رسالت کی ڈوری پکڑ کر چلتے تھے ؟ کیا وہ بھی طارق کی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہونے والوں کے اخلاق ہیں جو جہاز کے سامنے پانی میں غوطہ لگا رہے تھے کہ شاید کوئی مسافر ایک پیسہ پھینکدے !

معلوم نہیں عدن کی پہاڑیوں کے دامن میں پانی کے حوض کسنے بنائے تھے جنکو آثار تاریخی کا جویاں سیاح دیکھنے جاتا ہے - کوئی کہتا ہے کہ یہ حوض ایرانیوں کے بنائے ہوئے ہیں - کوئی کہتا ہے کہ عربوں کے کسی پرانے قبیلے نے صدیوں پہلے ان حوضوں کو تیار کیا تھا -

.......آج یہ حوض خشک پڑے ہیں پہاڑ بھی خشک ہیں اور انکے چشمے بھی بےآب ہیں - لاریب کہ عدن کے تمام چشمے خشک ہیں - پانی کے چشموں کا کیا ذکر عرب کی انسانیت کے چشمے بھی خشک ہیں اور جہاں کچھہ پانی ہے تو اُسکو بھی گندی مچھلیوں نے گندہ کر دیا ہے '' -

---

'' ....بہت سے جہاز اس سمندر میں گذرتے ہیں - ان جہازوں پر ہزاروں مسلمان خلاصی اور سیکڑوں مسلمان مسافر بھی گذرتے ہونگے لیکن کتنے ایسے ہیں جن کو یہ خبر ہے کہ اس سمندر کے پانی میں فدائیاں اسلام کا کسقدر خون ملا ہوا ہے - رونے کو نہیں کہتا - رونے کا قائل نہیں - مگر یہ ایک درس عبرت ہے ! یہاں مدرسوں میں نپولین کرامول اور نلسن کے سوا ہے کیا - انہیں کیا معلوم کہ بحر اوقیا نوس میں بھی کبھی اونٹ والے گھس جایا کرتے تھے ! وہ آرمیڈا کے نام سے تو واقف ہیں مگر عقبہ ابن نافع کے گھوڑے اور طارق کی کشتیوں کا حال انکو کیوں کر معلوم ہو ! غلامی کا اصلی زہر یہہے ! پھر کیا تعجب ہے کہ یہ غافل دنیا میں جدھر جاتا ہے زندگی کو تلخ پاتا ہے !

"ملاقاتیں ختم ہو گئیں - بارگاہ وزارت کے دروازے بند ہو گئے - بندگان فرمان حاضر ہوئے اور رخصت کردئیے گئے - اک تماشہ تھا کہ ختم ہوگیا کوئی نئي بات ہمارے ذہن میں نہیں تھي جو کہتے کوئي نئی بات وزیراعظم کے پاس نہ تھي جو وہ کہتے ہم نے وھي کہا جو عرصہ سے کہہ رہے ہیں انہوں نے وھي جواب دیا جو وہ دیا کرتے ہیں - ہمارے مطالبات بھي وھي تھے ان کا انکار بھی وھي تھا - ہمارے عرض معروض کا انداز کچھہ بدلا ہوا نہ تھا اُنکي نفي کا وزن بھي پہلے سے کچھہ کم نہ تھا - ہمارے آنے سے پہلے کچھہ باقي نہ تھا جو وزیر اعظم کے کان تک نہ پہونچاہو اور ملاقاتیں ختم ہو جانے کے بعد بھي کچھہ باقي نہ رہا جو آیندہ کہا جائے ! غلام بھی وھي تھي آقا بھي وھی تھا - ہماري پیشانی بھی وھی تھی اور انکا سنگ آستاں بھي وھی تھا ہماري التجائیں بھي وھي تھیں اور انکا اغماز بھي وھي تھا ! پھر آخر یہ سب تھا کیا ؟ ......یہ اب ایک خواب ہے کہ چند روز یاد رہے گا ' میں اس خواب کو حوالۂ قلم کرتا ہوں کہ اگر کہیں یہ صفحات ھندوستان کے آیندہ مورخ کے ھاتھہ پڑ جائیں تو وہ بھی دیکھے کہ ھندوستان کس طلسم میں مبتلا تھا - ہر شخص پوچھتا ہے کہ آخر گئے کیوں تھے جواب اسکے سوا کیا ہو کہ اسلئے کہ بلائے گئے تھے - اتني جلد کیوں واپس آئے اس لئے کہ واپس بھیجدئے گئے......"

خواجہ حسن نظامی صاحب اپني ظرافت کے بارے میں خود فرماتے ہیں :—

" میری طبیعت کی افتاد شوخی و ظرافت کے خلاف واقع ہوئی ہے.......مگر جناب اکبر کی ہم نشینی اور کچھ اس احساس کے سبب کہ نثر اُردو میں مفید ظرافت کا رواج بڑھے مجھکو بھی شوق ہوا کہ اُردو کے اس میدان میں طبع آزمائی کروں - میری عادت تقلید کی نہیں اسواسطے میں نے اُردو ہی سے اُس کا عنوان نیا تصنیف کیا اور اسکا نام چٹکیاں اور گدگدیاں رکھا ....اکثر مضامین میں جناب اکبر کا پیرایہ میرے پیش نظر ہے وہ نظم کے دو جملوں میں جو بات کہتے ہیں میں نے اسکو ایک بڑے مضمون نثر میں ادا کیا ہے - بعض مضامین کی شوخی کھلی ہوئی ہے بعض کی عبارت اوپر کی سطح سے سنجیدہ معلوم ہوتی ہے مگر اثر دل پر ظرافت کا ہوتا ہے - دانستہ بھی ایسا کیا ہے کہ بعض شوخ مضامین کو رکاکت میں گر جانے کے اندیشہ سے متانت کی چادر اُڑھا دی ہے.......ہنسی مذاق میرا کام نہ تھا مگر میں نے محض زبان اُردو کی خاطر اس میں دخل دیا اور کچھ لکھا......میرے تازہ مجموعۂ مضامین پر جو سیپارۂ دل کے نام سے گذشتہ مہینے شائع ہوا ہے جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اُردو نے دیباچہ لکھتے ہوئے ایک فقرہ یہ بھی لکھا تھا کہ ان مضامین میں غالب کے طرح ظرافت کی چاشنی نہیں ہے لہذا آج مغلوبہ کی طرح ظرافت کی چاشنی چکھانے لایا ہوں " -

---

خواجہ صاحب کی ظرافت اپنی آپ مثال ہے - اس طرز میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ' راقم السطور کو رعایت لفظی اور حروف یا الفاظ کی اُلٹ پھیر سے طبعاً نفرت ہے - خواجہ صاحب کے یہاں یہ

چیز کثرت سے ہے ، اس میں شک نہیں یہ سستے قسم کی ظرافت ہے اور اس پر سر دھننے والے بھی کثرت سے ملتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کا منشا بھی یہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنی طرف یا اپنی مقاصد کی طرف متوجہ کر سکیں لیکن جہاں تک صحیح ذوق اور سنجیدہ انشاپردازی کا تعلق ہے یہ نیت یا یہ فعل کچھ بہت زیادہ قابل تحسین یا تقلید نہیں ہے - لیکن اس میں بھی شک نہیں جہاں خواجہ صاحب مفہوم اور مقصود کو ان لفظی بازیگریوں یا گررکھ‌دھندے سے محفوظ رکھتے ہیں وہاں ان کی خیالات نہایت درجہ پُر لطف اور اتنا ہی سبق آموز ہوتے ہیں - طنزیات اور ظرافت دونوں انتہائی خلوص اور ایمانداری کے طلبگار ہوتے ہیں - یہاں اشخاص اور الفاظ کو زبردستی یا دیدہ و دانستہ اُچھالتے ، پھراتے رہنا ، کفر ہی نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ یعنی بد مذاقی ہے !

خواجہ صاحب کے بعض چٹکلے دوسروں کے پورے ظریفانہ مضامین پر بھاری ہوتے ہیں - خواجہ صاحب کی سہل ، سادہ اور مزیدار اُردو بجائے خود لطیفہ ہوتی ہے چہ جائیکہ اس میں ظرافت اور خوش طبعی کی بھی چاشنی رکھدی جائے - ہر اچھی ظرافت ایک قسم کی خوشگوار طنز ہوتی ہے اور ہر خوشگوار طنز بجائے خود ایک لطیف ظرافت ! اس کا بہترین ثبوت خواجہ صاحب کی بعض چٹکیاں اور گدگدیاں ہیں ،

ملا رموزی اور خواجہ حسن نظامی کی ظرافت اور خوش طبعی میں یہی چیز مابہ‌الامتیاز ہے - ملا رموزی کا دماغ ظرافت کے لئے نہایت رسا ہے ، وہ جس موقعہ کا تذکرہ کریں گے اس میں ظرافت

یا طنز کے جتنے پہلو ممکن ہیں سب اُن کے سامنے آجائیں گے لیکن لکھتے وقت وہ اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ سب باتیں لکھنے کی نہیں ہوتیں یا اُن الفاظ اور لہجہ میں نہیں لکھنا چاهئے جن میں ملا صاحب لکھنے کے عادی ہیں ملا صاحب کی تحریروں میں ایک چیز اکثر کھٹکتی ہے اور اس چیز کا احساس سوا ملا صاحب کے ہر ایک کو ہے یعنی وہ دوسروں کی پگڑی اور اپنا نام اُچھالنے کی زیادہ فکر رکھتے ہیں ! اور یہی وہ چیز ہے جس کے سبب سے اُن کی بہترین ظرافت ' بد ترین طنز – اور بہترین طنز ' بدترین ظرافت میں تبدیل ہو جاتی ہے - جو چیز پیشہ بنا لیجائے گی وہ ہمیشہ قبیح نظر آئیگی اور جو چیز بطور مشغلہ تفریح بر سرکار رہیگی وہ ہمیشہ مقبول اور محبوب ہوگی - ملا رموزی صاحب نے ظرافت اپنا پیشہ سا بنا لیا ہے اور یہی سبب ہے کہ بسا اوقات وہ لکھتے لکھتے ایسا لب و لہجہ اختیار کر لیتے ہیں یا ایسے الفاظ اور فقرے لکھہ جاتے ہیں جو انکے جیسے رتبہ کے انشاپردازوں کے شایاں شان نہیں ہوتے - مثلاً رسالہ صوفی میں انہوں نے پیروں ' صوفیوں اور اسکول کے لڑکوں کے بارہ میں جو قلمی جہاد (یا مغلظات) شروع کیا ہے وہ کسی طور پر ایک معقول مسلمان انشاپرداز کے شایان شان نہیں ہے - ملا صاحب غالباً راقم السطور سے بہتر اس امر کا احساس رکھتے ہیں کہ مکروہ سے مکروہ اور فحش سے فحش حالات اور واقعات پر بھی انتہائی لطافت اور نزاکت سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہے تو پھر انشا پردازی کے بجائے کچھہ اور کیوں نہ شروع کردیا جائے !

باینہمہ مجھکو یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ملا صاحب کی

تصنیفات بعض حیثیات سے بے مثل ہیں ' ان کو ایسی ایسی ظرافتیں بھی سوجھہ جاتی ہیں جہاں بمشکل کسی کی رسائی ہو سکتی ہے جو نہایت درجہ دلکش اور پر لطف ہوتی ہیں اور جہاں تک ہر شخص کا پہنچنا قطعاً آسان نہیں ہے ! ناانصافی ہوگی اگر یہاں پروفسر عبدالقادر سروری ام اے ایل ایل بی کے خیالات بھی ناظرین کے سامنے نہ پیش کئے جائیں جو انھوں نے ملاصاحب کے مضامین کے مجموعہ پر بطور " ایک علمی تبصرہ " قلمبند فرمائے ہیں '

" ....غرض ابھی ایک وسیع اور شاندار مستقبل ہمارے سامنے ہے جس کا راستہ ملا رموزی نے کھول دیا ہے یقیناً ملارموزی کی ظرافت نگاری اخبارات اور رسائل سے نکلکر مستقل ادبیات میں جگہ کرلیگی اور قوم کے پژمردہ دلوں کے لئے مسرت پائدار ثابت ہوگی اور ملک کے تاریک ترین گوشوں کے لئے بھی روشنی کا کام دیگی اسی لئے ملا رموزی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی نثری اور ادبی خدمات اب بتدریج ادبیات اردو کا جزولازم بن رہی ہیں اور " تاریخ ادبیات اُردو " آپ کا نام ہمیشہ عزت وشکر گذاری سے محفوظ اور برقرار رکھیگی - "

خواجہ حسن نظامی صاحب کی چٹکیاں اور گدگدیاں :—

" ساربان ابن ساربان "

" تمہارے خاقان ابن خاقان و سلطان ابن سلطان کا ہم قافیہ ساربان ابن ساربان ہوں ' اونٹ چلاتا ہوں - اونٹ کی محنت پر میری زندگی کا دارومدار ہے -

دیکھو میرے پیچھے اونٹوں کی ایک قطار چلی آتی ہے '

هر اونٹ کي نکیل دوسرے کي دم سے بندھي ھوئي ھے اور بیچارہ
چپ چاپ گردن جھکائے آگے والے اونٹ کے قدم بقدم چلا جاتا ھے -

راستہ میں ایک منطقي صاحب ملے تھے - بولے کیوں بھئی
اونٹو ! تمھاری پیٹھہ پر کیا لدا ھوا ھے اور تم کہاں جاتے ھو '
سب نے کہا اسکی خبر ھمارے ساربان ابن ساربان کو ھے - اس
نے جو کچھہ لاد دیا ھے ھم نے لاد لیا ھے - وہ جہاں لے چلے گا
وھاں چلے جائیں گے -

منطقي نے کہا تم کو معلوم کرنا چاھئے تھا کہ کہاں کا ارادہ
ھے اور پشت پر لادي ھوئي چیز کیا ھے - یہ سنکر ایک اونٹ نے کیا
خوب جواب دیا کہ آپ کے کالجوں اور اسکولوں میں جو شترزادے
کتابوں کا بوجھہ اُٹھائے ھوئے اور ایک دسرے کي دم سے بندھے جارھے
ھیں ان سے بھي کبھی پوچھا کہ کہاں جاؤ گے اور تم پر کیا
لدا ھوا ھے . . . . . . ''

'' پیاری ڈکار ''

'' کونسل کي ممبري نہیں چاھتا ' قوم کي لیڈري نہیں
مانگتا - ارل کا خطاب درکار نہیں موٹر اور شملہ کی کسی کوٹھي
کي تمنا نہیں میں تو خدا سے اور اگر کسي دوسرے میں دینے کي
قدرت ھو تو اس سے بھي صرف ایک ' ڈکار ' طلب کرتا ھوں -
چاھتا یہ ھوں کہ اپنے طوفانی پیٹ کے بادلوں کو حلق میں
بلالوں اور پوري گرج کے ساتھہ باھر برساؤں یعنی کڑاکے دار ڈکار
لوں پر کیا کروں یہ نئے فیشن والے مجھکو زور سے ڈکار لینے نہیں
دیتے - کہتے ھیں ڈکار آنے لگے تو ھونٹو کو بھیچ لو اور ناک کے نتھنوں
سے اُسے چپ چاپ اُڑادو - آواز سے ڈکار لینی بڑي بے تہذیبي ھے -

مجھے یاد ہے سر جیمس لاٹوش یو پی کے لفٹننٹ گورنر علی گڑہ کالج میں مہمان تھے رات کے کھانے میں مجھ جیسے ایک گنوار نے میز پر زور سے ایک ڈکار لے لي - سب جنٹلمین اس بیچارے دھقاني کو نفرت سے دیکھنے لگے - برابر ایک شوخ و طرار فیشن ایبل تشریف فرما تھے انہوں نے نظر حقارت سے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا جیب سے گھڑي نکالي اور اس کو بغور دیکھنے لگے - غریب ڈکاری پہلے ھي گھبرا گیا تھا - مجمع کي حالت سے متاثر ھورھا تھا - برابر میں گھڑي دیکھي گئي تو اُس نے بے اختیار ھوکر سوال کیا - جناب کیا وقت ھے - شریف فیشن پرست بولا گھڑي شاید غلط ھے - اس میں نو بجے ھیں مگر وقت بارہ بجے کا ھے کیونکہ ابھي توپ کي آواز آئي تھي !

بیچارہ ڈکار لینے والا سنکر پاني پاني ھوگیا کہ اسکی ڈکار کو توپ سے تشبیہ دیگئی - اس زمانے میں لوگوں کو سلف گورنمنٹ کي خواھش ھے ھندوستانیوں کو عام مفلسي کي شکایت ھے - میں تو نہ وہ چاھتاھوں نہ اس کا شکوہ کرتا ھوں - مجھکو تو انگریزي سرکار سے صرف آزاد ڈکار کي آرزو ھے - میں اس سے ادب سے مانگونگا ، خوشامد سے مانگونگا - کوئي نہ مانےگا تو کہے دیتا ھوں زور سے مانگوں گا - جد و جہد کروں گا - ایجی ٹیشن مچاؤں گا - پُر زور تقریریں کروں گا - کونسل میں جاکر سوالوں کي بوچھار سے آنریبل ممبروں کا ناک میں دم کروں گا -

لوگو ! میں نے تو بہت کوشش کي کہ چپکے سے ڈکار لینے کی عادت ھو جائے - ایک دن سوڈا واٹر پي کر اس بھونچال ڈکار کو ناک سے نکالنا چاھتا تھا مگر کمبخت دماغ میں الجھہ کر رھگئي ، آنکھوں سے پاني نکلنے لگا - اور بڑي دیر تک کچھہ سانس رکا رکا سا رھا !

کیوں بھائیو تم میں سے کون میری حمایت کریگا اور نئی روشنی کی فیشن ایبل سوسائٹی سے مجھکو اس اکسٹریمسٹ حرکت کی اجازت دلوائیگا - خلقت تو مجھکو حزب‌الاحرار یعنی گرم پارٹی میں تصور کرتی ھے اور میرا یہ حال ھے کہ اپنی گرم ڈکار تک کو گرما گرمی اور آزادی سے کام میں نہیں لاسکتا - ٹھنڈی کر کے نکالنے پر مجبور ہوں !

بعض بےمزہ لفظی اُلٹ پھیر کی مثالیں :—

"پٹرولیم کا قحط :—

ایک معنی تو پٹرولیم کے کال کے ھیں اور دوسرے علحدہ علحدہ معنوں میں ' یعنی پیٹر بمعنی پیٹروگراڈ اور دوسرا (قیصر) ولیم سب کا مفہوم یہ رہا کہ جرمنی اور روس دونوں غائب !!

"طائر ھوائی کی بیٹ"

ایک بیٹ تو وہ جو سخن فہمی عالم بالا کے سلسلہ میں کسی شاعر کو نصیب ھوئی تھی دوسری بمعنی ' ضرب ' انگریزی میں beat بیٹ کے معنی مارنے کے ھیں - مطلب یہ ھے کہ "ھوائی پرندوں کی آتشی بیٹ جرمن کے منھہ پر ھورھی ھے" !

"جرمن میں مس کی کمی"

مس بمعنی تانبا اور مس بمعنی عفیفہ - "پس اھل جرمن کو چاھئے کہ وہ مسوں کو مومیائی بناکر کیمیائی طریق سے مِس بنالیں"

"جنرل فان"

"اس میں فان لگا ھوا ھے جسکی معنی فنا ھونے کے ھیں - معلوم نہیں وہ اس لفظ سے فاعلیت کا اثر حاصل کرینگے یا

مفعولیت کا - آخری اثر ہوا تو ان کے ہاتھوں سے جرمنی قوم کا فنا ہو جانا لازمی ہے "!

" آپان "

" جاپانی دھاں کے چاول کھانے والے ہندوستان کے پان کے قریب ہونے کے سبب اپنے ملک کو جاپان کہتے ہیں ان سے کہدو کہ ہمارے پان کو نظر نہ لگائیں کیونکہ ان کی زبان سے جاپان سنکر جی دھڑکتا ہے - وہ ہمارے دوست ہیں تو اپنے ملک کا نام آپان رکھہ لیں تا کہ پان خور ہندوستانی وہاں جا کر علم و ہنر سیکھہ آیا کریں - پان پر جا کا لفظ ٹھیک نہیں "

" جنوری میں جانوری "

" جنوری کی سردی میں ہر انسان جانور بن جاتا ہے اور ہر وقت لحاف و کمبل کے بھت میں گھسا رہنا چاہتا ہے "

" دردمہ "

اخبار ہمدرد کو اُلٹ کر دیکھو تو دردمھہ بن جائے - اس واسطے ثابت ہوا کہ ضرور اُس کے ایڈیٹر کے شکم میں ہلال کا درد ہے "

" لال ہلا "

" الہلال بند ہو گیا - یہ بے نقط اخبار تھا اور سب کو بے نقط سناتا تھا - جب چارۂ کار کی تدبیریں ہونے لگیں تو اس کے حروف کو بھی اُلٹ کر دیکھا تو حکم ملا (لال ہلا) معلوم نہیں الہلال کے محرر خصوصی لالوں کا ہلانا منظور کرینگے یا نہیں طوطے تو بہت پال چکے ہیں لالوں کا پنجرا بھی رکھہ لیں تو کیا مضائقہ ہے "؟

وغیرہ وغیرہ -

ملا رموزي صاحب :—

اگر یہ صحیح ہے کہ بڑے بڑے لارڈ " آپریشن " سے شفاخانوں میں مرجاتے ہیں - اگر هندوستاني راجے مہاراجے قوت باہ اور طلا کي گولیوں سے هلاک هوتے رهتے هیں اگر هندوستاني قلي ، صاحب لوگوں کی ٹھوکر سے مرجاتے هیں تو دیکھہ لینا هم کسی نہ کسي دن مضمون نگاری میں ....یہ هو جائینگے اور یار لوگ انالله پڑہ کر فارغ هو جائیں گے.......وہ تو قوم نے مالداري کی وجہ سے خواجہ حسن نظامي صاحب کو " مصور فطرت " کہدیا ہے ورنہ اصل میں " مصور فطرت " تو هم تھے جب کہ هم هر شخص کا حلیہ کھینچ کر رکھہ لینے میں عبدالرحمن چغتائي سے کیا کم هیں اور همارا کونسا مضمون هوتا ہے جو " عمل چغتائي " کا کام نہ دیتا هو......"

" کالا آدمي "

جنوبي افریقہ میں گول میز کانفرنس کیجئے چاهئے کوہ همالیہ پر بیٹھہ کر تالیاں بجائے - یہ جو هندوستان کے تیس بتیس کرور انسان " کالا آدمي " هو چکے - سو اب سفید نہیں هو سکتے - یقین نہ هو تو شریک هو جائے وائسرائے کے استقبالی هجوم میں ، جمع هو جائے کسي بازار میں اور مجمع کیجئے کسی ریلوے پلیٹ فارم پر - پس ایک انگریز صاحب آئیں گے اور " اے کالا آدمي " کہہ کر آپ کو هٹا دینگے علحدہ کردینگے اور کبھي آپکے اوپر سے گھوڑا دوڑا کر منتشر کردینگے - مگر یہ کبھي نہ کرینگے کہ " کالا آدمي " سمجھکر ریل کا کرایہ ، لفافوں کی قیمت یا میونسپل ٹکس آپ سے کم کروالیں لیکن سوال یہ ہے کہ آخر

انگریزوں نے هندوستانیوں کا تخلص "کالا آدمي" هي کیوں رکھا ؟ اس کا جواب... مسیح موعود نے یہ دیا هے جب کہ هم هندوستاني پانيپت کے میدان میں انگریز بھائیوں کے مقابلہ سے بھاگ چکے تو اب انگریز هو گئے " اولی الامرمنکم " لهذا اب ان پر کوئی اعتراض ، سوال ، تنقید ، غرض سب کچھہ حرام هے......"

ریل کا سفر :—

" ......لیکن عین اس وقت جب کہ هم جواني کي نیند کے مزے لے رهے تھے یکایک ایک جھٹکا لگا جس کے اثر سے هم الصلواۃ خیر من النوم..........کہتے هوئے بیدار هو گئے اب جو آنکھیں کھولتے هیں تو سینہ پر ایک گٹھری اور بسترا رکھا پاتے هیں لیکن آپ بھي همارے وسیع مطالعہ کو دیکھئے کہ چھاتي پر بسترا رکھا دیکھکر همیں کوئی حیرت نہ هوئي بلکہ فوراً سمجھہ گئے کہ هو نہ هو یہ کوئي استیشن هے - جہاں سے کوئي گھبرایا هوا کسان سوار هو رها هے اور اس نے گھبراهٹ میں یہ بسترا کھڑکي سے هي همارے اوپر دے مارا اور اب وہ صدر دروازہ سے آیا هي چاهتا هے - یہ سوچ کر گردن جو اٹھائي تو صدر دروازہ سے دیکھا کوئي دس بارہ کسان ریل کے اندر چلے آرهے هیں ، سروں پر چار چار تھان کھدر کے لپیٹے هوئے جن کے اندر سے وہ لمبي لمبي چلمیں نظر آرهی تھیں جو بوقت سفر اس کھدري عمامہ کے اندر لگا لي جاتي هیں - اسي کھدر کے " میڈ ان دیہات " کوٹ جنکے سینے کھلے اور اندر سے بال صفا پوڈر صاف نظر آرهے تھے - هاتھوں میں بڑي بڑي لاٹھیاں ، بقدر ستر عورت دھوتیاں اور پاؤں میں وہ وزنی جوتے جو اخبار همدم کے کسي لکھلوی

21

کاتب یا اسسٹنٹ اڈیٹر کو غلطی سے پھنسا دئے جائیں تو اُف کہہ کر اناللہ ہو جائیں - غرض کسانوں کي یہ پوری پارلمنٹ جب اس ڈبے میں داخل ہوئي تو اب ہمیں اطمینان ہو گیا کہ بمبي تک سونا تو ایک طرف شاید ہم حرکت بھي نہ کر سکیں گے ""

"......اب بتائیے کہ ملا رموزي پولیس کو لے کر کس کے پیچھے بھاگے ؟ میاں مجرد کے یا اس عورت کے یا اس عورت کے ان بے حیا بے غیرت اور بے حمیت ماں باپ کے جنھوں نے اس حرافہ اور فاحشہ کو پال کر جوان کیا اور خدا پرستی کو ذلیل کرانے کے لئے بھیجا بھی تو انھوں نے ایک بدمعاش پیر کے پاس مگر آہ تمھیں کیا خبر کہ آج دولت مندوں کے کتنے اونچے اور نیچے گھرانے کي بدکار و بدمعاش عورتیں ہیں جو مرید ہونے کے نام سے ان بدمعاش پیروں کے آغوش میں ہیں مگر نہ انھیں موت آتی نہ ان کے مردوں کو اور مارے غیرت اور تاؤ کے سوکھہ کر کانٹا ہوتے جاتے ہیں کون کہ یہ اپنے ہنسانے اور زندہ دل بنانے والے ملا رموزي صاحب !

"......لہذا ارباب قلم سے درخواست ہے اگر انھیں تاریخ کے معزز صفحات میں اپنی اس نئي نسل کو زنانہ نسل لکھوانے سے کچھہ بھي شرم دامنگیر ہوتی ہے تو وہ شمشیر بے پناہ ہو کر لڑکوں کے اس زنانہ پن کو روکنے میں ملا رموزي کا ساتھہ دیں کیونکہ بناؤ سنگھار اور زنانہ پن کے حساب سے یہ لڑکے اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ لوگ ہر لڑکے کے باپ کو یہ پیغام بھیجنا

شروع کردیں کہ اپنے لڑکے کے ساتھہ هماري نسبت منظور فرماکر همیں اپني فرزندي میں قبول فرمائے......"

طنزیات و مضحکات کے سلسلہ میں اودہ پنچ کا تذکرہ ضروري بھی ھے اور دلچسپ بھی - غالب کے عہد تک طنز اور ظرافت کا جو سرمایہ اردو میں ملتا ھے وہ "پنچیانہ" رنگ
پنچ
سے گو بے نیاز نہیں ھے لیکن اس میں شک نہیں اس دور تک پنچ کو صحافتي درجہ حاصل نہیں تھا - اسبارہ خاص میں اودہ پنچ کو امتیاز تقدم حاصل ھے - اودہ پنچ کے بعد هندوستان کے دیگر حصص میں پنچ کی حیثیت سے مختلف جرائد شائع هوئے اور اب بھي شائع هو رهی هیں لیکن خود اودہ پنچ کے رنگ کو اس میں سے ایک بھي نہیں پہنچ سکا -

منشي محمد سجاد حسین صاحب مرحوم نے سنہ ١٨٧٨ع میں اودہ پنچ کا اجرا کیا - اس وقت سیاسي مسائل نسبتاً کچھہ زیادہ جاذب توجہ نہ تھے ' اگر تھے بھي تو ایسے نہیں کہ ان کي اصلاح یا ان کا احتساب مقصود بالذات هوتا - ان پر اظہار خیال کیا بھی جاتا تو محض سرسري طور پر وہ بھي تفریحاً جو مسائل اس وقت منشی صاحب مرحوم اور ان کے رفقائے کار کے پیش نظر تھے وہ بڑی حد تک معاشرتی یا مقامي تھے - مولوي سید محمد آزاد یا اکبر حسین صاحب اکبر کي طنز اور ظرافت کی آما جگاہ حکومت اور سیاست نہیں بلکہ مغرب اور مغربیت تھي -

بدنصیبي سے منشی سجاد حسین مرحوم فالج میں مبتلا هوئے لیکن یہ کلفت جسمانی ان کي همت مردانہ اور شگفتگي طبع

کو مضمحل نکر سکی اودھ پنچ نکلتا رہا ' فالج کا دوسرا دورا ہوا ' قلمی معاونین کی صف بھی اب کہیں کہیں سے خالی ہونے لگی تی ' کچھہ جاں بحق ہو چکے تھے ' بقیہ حق بخشوا رہے تھے ' بچی کچھی صرف سجاد مرحوم کی وضعداری رہ گئی تھی جو بالاخر ان کی زندگی اور ان کی تمام ملک و معشیت کے ساتھہ ختم ہو گئی اور اس طرح سنہ ۱۹۱۳ میں اودھ پنچ بند ہوگیا ۔

دو سال بعد سنہ ۱۹۱۵ع میں حکیم شیخ محمد ممتاز حسین صاحب نے (جنکے والد لکھنؤ کے تعلقہ داروں میں سے تھے) اودھ پنچ کو دوبارہ زندہ کرنے کا عزم کیا ۔ حکیم صاحب موصوف ریڈ کرشچین کالج میں اردو شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) کے پروفیسر تھے اور اب اودھ پنچ کے اڈیٹر ہیں مولانا جسٹس کرامت حسین صاحب مرحوم کے مشورہ سے ممتاز حسین صاحب نے سنہ ۱۹۱۶ع میں اودھ پنچ کو نئے سر سے شائع کیا اور اب تک ملک و ملت اور زبان کیخدمت میں مصروف و منہک ہیں ۔

موجودہ عہد میں اودھ پنچ کا رویّہ بحیثیت مجموعی حسب ذیل مقاصد کا ترجمان ہے '

۱ ۔ بد اخلاق اور بد مزاق کے سوانح ذاتیہ سے قطع نظر عام بداخلاقی اور بد مزاقی کی ہجو کیجائے ۔

۲ ۔ آزادئی مُلک ۔ لیکن لب و لہجہ اشتعال انگیز ہونے کے بجائے ظرافت خیز ہو ۔

۳ ۔ صحت اور سلاست زبان

۴ ۔ علمی اور فلسفیانہ مضامین کو بھی فروغ دیا جائے بشرطیکہ شگفتگی اور ظرافت کا عنصر نمایاں طور پر غالب ہو ۔

۵ - مضحک تصاویر (کارٹون) سے طنز اور ظرافت کا اظہار اور اُسکي اشاعت -

اودھ پنچ کے دور اول کے مشہورترین مضمون نگار سرشار ' اکبر اور آزاد تھے ' موجودہ عہد میں سید مقبول حسین صاحب ظریف اُسکے بہترین علمبردار ھیں - اودھ پنچ کے دوسرے مضمون نگار اپنے نام کي اشاعت گوارا نہیں کرتے - ممکن ھے یہ طریقہ کار بربنائے مصلحت مناسب یا ضروري ھو لیکن اُردو کي تاریخ مرتب کرنے والے نیز اُردو کے آئندہ انشاپردازوں کیلئے یہ "مصلحت" غیر مفید اور تکلیف دہ ثابت ھوئي - اسکی تلافی کی اگر کوئی ممکن اور معقول صورت ھوسکتي ھے تو صرف یہ کہ اودھ پنچ کے منتخب اور ٹکسالی مضامین کا مجموعہ کتابي شکل میں وقتاً فوقتاً شائع ھوتا رھے -

اودھ پنچ کي سب سے نمایاں خصوصیت کارٹونوں کا شائع کرنا ھے ۔ طنز اور ظرافت کا یہ پہلو اُردو میں کمیاب بلکہ نایاب تھا ۔ اودھ پنچ کے بعض کارٹون اپنی ندرت اور جامعیت کے اعتبار سے یوروپین صحائف کے بعض بہترین کارٹونوں سے لگا کھاتے ھیں -

بعضوں کا خیال ھے کہ " پنچیانہ ظرافت " اکثر ذوق سلیم پر بار ھوتي ھے - پنچ میں لکھنے والے اکثر حد اعتدال سے گذر جاتے ھیں ۔ ان کا مقصد طنز اور ظرافت کے بجائے " تھکا فضیحت " ھوتا ھے اور اس طور پر پنچ کے ذریعہ سے سوقیانہ ظرافت اور بازاري پھکڑ کو بے جا فروغ حاصل ھوتا ھے وغیرہ وغیرہ -

ممکن ھے یہ فرد جرم اودھ پنچ یا کسي اور پنچ پر کامیابي کے ساتھہ لگائي جا سکے لیکن یہ کہنا کلیۃً صحیح نہیں ھے کہ

پنچ اس قسم کے پھکڑ یا فحاشی کو اپنا نصب‌العین سمجھتا ھے - پنچ کا وسیلہ پھکڑ یا، فحاشي ھو سکتا ھے مقصد ھرگز نہیں ھوتا - پنچ کا مقصد عالمانہ اور فلسفیانہ ظرافت کي نشر و اشاعت نہیں ھوتا - اس کے یہ معنی نہیں ھیں وہ تبسم نہیں صرف قہقہہ کا قائل ھوتا ھے - اور اسمیں بھي شک نہیں وہ تبسم سے زیادہ قہقہہ کا قائل ھوتا ھے اب رھا یہ مسئلہ کہ یہ قہقہہ پھکڑ یا فحاشی کا محتاج ھوتا ھے یا کوئي سنجیدہ ظرافت بھي اس کي محرک یا معین ھو سکتي ھے تو اس سے کون انکار کر سکتا ھے کہ في‌الحقیقت متبسم ھونے یا قہقہہ لگانے کا انحصار نفس ظرافت پر اتنا نہیں ھے جتنا خود متبسم ھونے یا قہقہہ لگانے والے کي افتاد طبع پر - یہ بھي ممکن ھے کہ اس کا تعلق نفس ظرافت سے ھو بنا بر آں خود ظرافت کو معقول اور مہذب ھونا چاھئے یہ اور بات ھے کہ اس پر کوئي قہقہہ لگائے یا متبسم ھو -

لیکن یہاں سوال پیدا ھوتا ھے کہ "معقول" اور "مہذب" کا معیار کیا ھے اور آیا پنچ اس کا پابند ھے یا نہیں - سرسري طور پر اس کا جواب یہ ھو سکتا ھے کہ معقول اور مہذب کا معیار وھي ھے جو معقول اور مہذب لوگوں کا شعار ھو - لیکن سوال کا دوسرا حصہ یعني آیا پنچ کو اس کا پابند ھونا چاھئے یا نہیں ، کسی قدر پیچیدہ ھے - بظاھر یہ جواب دیا جاسکتا ھے کہ پنچ کو یقیناً اس کا پابند ھونا چاھئے -

یہاں اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچ کا مفہوم خود "عام پسندي" سے وابستہ ھے - لیکن خرابي یہ ھے کہ یہي "عام پسندي" اکثر گر کر "عوام پسندی" کے حدود

تک پہنچ جاتي ھے - ظاھر ھے جس تحریک کا مقصد ،، عام پسندی ،، ھوگا وہ ،، عوام پسندي پر ،، ختم ھوگا - پنچ بالعموم اپنا مخاطب عوام کو سمجھتا ھے ' ممکن ھے پنچ کو اس سے انکار ھو لیکن خود عوام اس سے کبھي انکار نہ کرینگے - یہاں اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنچ بعض پیچیدہ نکتے ' دقیق مسائل ' اور پر لطف اشارات کو اکثر ایسے انداز سے پیش کرتا ھے کہ عوام اس کو سمجھہ سکیں یا نہیں لیکن اس پر سر دھننے کے لئے آمادہ ھو جاتے ھیں - تاھم یہ فن یا طریقۂ کار اپنے مقاصد کے اعتبار سے کتنا ھي مستحسن کیوں نہ ھو حد درجہ نازک اور خطرناک ھے - اکثر ایسا ھوتا ھے کہ اس کوشش میں قطعاً ناکامیابي ھوتي ھے اور پنچ کي ظرافت سرقیانہ اور بازاري ھو جاتي ھے -

،، عام پسند ،، یا ،، خاص پسند ،، کا مسئلہ نازک اور مشکل ھے - سیاسي اور معاشرتي مسائل کي اھمیت ممکن ھے ،، عام پسندی ،، سے وابستہ ھو لیکن جہاں تک اس کا تعلق طنز و ظرافت کے فن یا مذاق سلیم سے ھے یہ کہنے میں تامل نہیں کیا جا سکتا کہ طنز اور ظرافت کو ھر حال میں تکسالي ھونا چاھئے - عوام کے مذاق کو بھي ' خواص ' کے سطح پر لانے کي کوشش کرنا چاھئے - اس کوشش کا سب سے پہلا اور سب سے قوي اثر یہ ھوگا کہ ظرافت کي سطح مائل بہ پستی ھونے کے بجائے ھیشہ مائل بہ عروج رھیگي - یہ چیز نہایت ضروري ھے اور ظاھر ھے اس مقصد کي کامیابي میں پنچ کي خدمات سے ھمیشہ رجوع کرنا پڑےگا -

پست اور سستے قسم کي ظرافت کي اشاعت کا جرم اودہ پنچ

پر عائد ہوتا ہو یا نہ ہو ' پنچ پر یہ پورے طور پر عائد ہوتا ہے اور یہاں بقول ہمارے ایک دوست پنچ کے "شامل میں" وہ تمام اخبارات اور رسائل آجاتے ہیں جو اکثر پتلگی کاغذ پر شائع ہوتے ہیں اور جنکا سر ورق آڈیٹر اور اڈیٹوریل اسٹاف کی "قلمی تصاویر سے مزین" ہوتا ہے - پنچ کے نام و نسبت سے بہار ' ممالک متحدہ ' دکن وغیرہ میں اکثر صحائف شائع ہوتے ہیں - ان سب کے مخاطب عوام ہوتے ہیں اور ان کی ظرافت بھی بازاری ہوتی ہے - یہ سب اپنی ابتدا اور ارتقا کے اعتبار سے اودھ پنچ کے تابعین اور تبع تابعین میں سے ہیں لیکن ان کو اپنے مورث یا مرشد سے وہی نسبت ہے جو آج کل کے پیر پیشواؤں کو قدیم اکابر دین سے ہے - حسن و عشق کو جتنا طوائفوں اور شاعروں نے بدنام کیا ہے اس سے کچھہ سوا ہی طنز اور ظرافت کو پنچ اور......(یہ الفاظ اصل مسودہ میں صاف پڑھے نہیں گئے ! رشید) نے رسوا کیا ہے -

اودھ پنچ کی روایات کی ابتدا منشی سجاد حسین کی بے باک صداقت اور بے لاگ ظرافت سے ہوئی اور اب اس کی تکمیل کی ذمہ‌داری حکیم شیخ ممتاز حسن صاحب کے سپرد ہے اور یہ اودھ پنچ کی انتہائی خوش نصیبی ہے - حکیم صاحب کی علمی قابلیت اور ہمہ‌دانی مسلم ہے - راقم‌السطور نے ان کو قدیم وضعداری اور جدید روشن خیالی کا ایک متوازن پیکر پایا - لیکن اس کے ساتھہ ساتھہ اس کی بھی قسم نہیں کھائی جا سکتی کہ وہ طنز اور ظرافت کے فلسفہ اخلاق کے بھی ماہر ہیں - اودھ پنچ میں اکثر مضامین ایسے بھی پائے گئے ہیں جن کو شائع نہ کرنا بہتر تھا جن کی ظرافت مشتبہ اور دل آزارانہ تنقید مسلم تھی

اودھ پنچ کو کسی مخصوص جماعت کے مسلک و مشرب کے خلاف اپنی طنز یا ظرافت کي خواہ مخواہ یا مسلسل اشاعت نہ کرني چاھئے - طنز و ظرافت کا شمار دنیا کے بعض مہلک ترین اسلحہجات میں ھوتا ھے - اس کے استعمال کا منصب ھر وقت ھر سپاھي یا پیادہ کو نہ ھونا چاھئے بلکہ سپہسالار کي خاص اجازت پر اور اسکي براہ‌راست نگراني میں اس کو بروئے کار لانا چاھئے -

اگر اکبر سرشار اور آزاد قدیم اودھ پنچ کے آوردوں میں سے تھے تو اس سے بھي انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سید مقبول حسن ظریف جدید اودھ پنچ کے چشم و چراغ ھیں - جہاں تک معلوم ھوسکا ھے ' سید صاحب ظریف شاعر ھیں -

راقم‌السطور کي نظر سے ظریف صاحب کا کوئي ایسا مضمون نہیں گذرا جو نثر میں ھو - ممکن ھے ظریف صاحب نے نثر میں بھي ظرافت نگاري کي ھو لیکن اس کو قبول عام نصیب نہیں ھوا - ظریف صاحب کي ظرافت بالعموم "زبان" اور "بیان" سے وابستہ ھوتي ھے - اس کے یہ معني نہیں ھیں کہ واقعات اور حالات پر ان کی نظر نہیں ھوتي - کہنے کا مقصد یہ ھے کہ ان کي زبان اور ان کا بیان اس درجہ بے ساختہ اور لطیف ھوتا ھے کہ سننے اور پڑھنے والا بےاختیار ھونے پر مجبور ھو جاتا ھے - موجودہ دور میں ظرافت‌نگار شاعر کي حیثیت سے ظریف صاحب کا پایہ اپنے معاصرین سے بہت بلند ھے -

راقم‌السطور کا خیال ھے کہ ظریف صاحب کو تمثیل‌نگاري (ڈرامہ) کي طرف توجہ کرنا چاھئے - اس میں شک نہیں کہ تمثیل‌نگار کے لئے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ھے وہ ظریف صاحب میں غالباً بدرجہ اتم موجود نہیں ھے یعني وہ انساني فطرت اور معاشرت کي نزاکت اور حقائق سے پورے طور پر آشنا نہیں معلوم ھوتے - تاھم اس

سلسلہ میں جہاں تک زور بیان یا لطف بیان کا تعلق ہے اور یہ عنصر بھی کچھ کم وقیع نہیں ہے وہ اس فن کے امام ہیں -

ظریف صاحب کی ایک مشہور نظم یہاں ہدیہ ناظرین ہے - گنجائش نہ ہونے کے سبب سے صرف اسی نظم پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ اس کے علاوہ سید صاحب کی دیگر نظمیں بھی کچھ کم قابل اعتنا نہیں ہیں - اس سلسلہ میں ناظرین کی توجہ ظریف صاحب کی مشہور منظوم سیاحت ' سیاحت عراق کی طرف بھی مبذول کرائی جاتی ہے جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اُردو ادب میں نہایت وقیع حیثیت رکھتی ہے -

---

شامت الکشن

(مُسدس)

واہ بی میونسپلٹی جان ' کیا کہنا ترا
تو چچی لیلیٰ کی ' عاشق تیرا مجنوں کا چچا
اپنی خودداری کو کھو کر تجھہ پہ جو شیدا ہوا
بے خودی میں یہ زبانِ حال سے کہتے سنا
بسکہ دیوانہ شدم عقل رسا درکار نیست
عاشق میونسپلٹی را حیا درکار نیست

تیرا خواہشمند ' ہر قید لیاقت سے بری
جس کا جی چاہے لڑے اور لڑکے لے لے ممبری
عہد آزادی نے ایسی ڈال دی ہے ابتری
اب تو ہر تانیث اور تذکیر میں ہے ہمسری

تجھکو کیا رنڈی ھے کوئی یا ده رنڈی باز ھے
تیرا دروازہ کس و ناکس کے اوپر باز ھے
جمع کردے قرض ھي لیکر ضمانت کے پچاس
دور ھوتی جائے غیرت جب الکشن آئے پاس
ووٹروں کے ھاتھہ جوڑے خوب ھو کر بدحواس
گڑ گڑا کر ھر کس و ناکس سے ھو یہ التماس
رھن پرچے کے عوض عزت میری کر لیجئے
اپنے بچوں کا تصدق ووٹ مجھکو دیجئے

سنئے اک صاحب کا قصہ جب ھوئي شامت سوار
یہ ضمانت کرکے داخل بن گئے اُمید وار
چھوڑا پیشہ ' ترک فرمایا جو کچھہ تھا کار بار
کچھہ اثاث البیت بیچا کچھہ لیا سودي اُدھار
مضطرب رھتے تھے یہ نام آوري کے واسطے
گھر سے نکلے ووٹ لینے ممبري کے واسطے
سب سے پہلے ان کو جس ووٹر کے گھر جانا پڑا
شیخ بدھو نام تھا اور تھا جولاھا قوم کا
دھوتي باندھے مرزئی پہلے تخا بیٹھا ھوا
اک سڑا مٹي کا حقا پي رھا تھا کج ادا
جاتے ھي تسلیم کي جب اس کو باصد احترام
منھہ کو تیڑھا کر کے بولا '' کو ھے بالیکم سلام ''
کون
بولے یہ پہلے نہ آیا میں ' ھوا اتنا قصور
شیخ بدھو آپ مجھپر رحم فرمائیں حضور

آپ کو والد کہا کرتے تھے بھائي اب سے دور
میں بھتیجا آپ کا ہوں ووٹ لے لونگا ضرور

بولے بدھو کا کہیو ہم کہہ کا کہہ کا ووٹ دے ئي
کیا کہا کس کو کس کو ووٹ دیں

بوٹ پہیئے او جو ترتے ہم کا دس کا لوٹ دے ئی
ووٹ پائے گا وہ جلد نوٹ

ساس یہ مینا سپٹی ہے نہ جانے کہا بلا
کون بلا

اور تم لمبر جو ہوے جیہو تو ہمرا پھائدا ؟
ممبر فائدہ

ہم کبھوں تم کا نہ دیکھا اور نہ تمرے باپ کا
کبھي کو

آوتے هی آوت بتایو بن نہک ہم کا چچا
آتے هي آتے ناحق

ہوئے گوا ھسیار بڑھو آ تم چلے ہو چوٹ دے ؟
هشیار دینے

کان پکڑا ہم نہ جاؤب اب کُہو کا ووٹ دے
کسي کو

ہم یہے نریا پہ اک دن بیٹھ کے موتا جرا
اسي نالي ذرا

کا کہي ہو جھٹ دے چالان ہمرا ہوئے گوا
سے ہو گیا

جب کوؤ ممبر نہ آوا اور نہ پوچھس کا بھوا
کوئي کیا ہوا

ہم کچہري ماں مجھٹر سے اُجرداري کیا
میں مجسٹریٹ عذر داري

مکدما جھوٹا ہے صاحب ہم ماں یہہ بوتا نہیں
مقدمہ توت

سچ کہي میڈا سپٹي پر کبہو موتا نہیں
میئوسپلٹی کبھي

جب سرتے دار بولا لا ھوے کونو گواہ
سرشتہ دار کوئی

ھم کہا سسرا جمادروا کہس ھم کا تباہ
جمعدار

ھم جولاھا آپ کے اور آپ تھرے بادساہ

کون کہہ کے سامنے موتت ھے صاحب واہ واہ
کس کے موتتا ھے

ھنس کے کہہ دینس مجھنڈر سیکھہ جی جاؤ بری
کہہ دیا شیخ جي

رہ گئي منھہ باے کے سب لمبرن کی لمبري
کہول کے ممبري

سن لیہو ساري کتھا ؟ دے ھو کہ ناھیں یہ بتاؤ ؟

بوتت مانگے آئے ھو ھم سے تو ھم کا کچھہ دلاؤ

کے چکن بکواس اب بھیا نہ ھمرا مور کھاؤ
کرچکے سر

کہہ دیا بس کہہ دیا ھم جاؤ چُپے گھر کا جاؤ
چپ

جو رکم تم سے کہا سب پیسگی لے لیب ھم
رقم پیشگي لے لینگے

بوتت دے موتر پہ لے جھیو تو ھاں دے دیب ھم
دینی لے جاؤ گے دیدینگے

جب میاں بدھو کے تیور اس قدر دیکھے کڑے

دھنے بائیں دیکھہ جھٹ قدموں پہ آکر گر پڑے

دل میں پچھتانے کہ آخر کیوں ھوئے تھے ھم کھڑے

کہئے ایسے جاھلوں سے کیا کوئی کشتي لڑے

آبرو کے ساتھہ دے کر '' پانچ '' راضي کر لیا

کامیابي پر ھوئے خوش تاؤ موچھوں پر دیا

آگے بڑھکر ایک حضرت کا ہوا پھر سامنا
اُن سے جاکر اس طرح کی عرض باصد التجا
بندہ پرور ایک مذہب ہے ہمارا آپ کا
ووٹ دیجئے گا جو مجھکو آپ خوش ہوگا خدا
ہیں مرے حلقے میں جو جو میرے مذہب کے خلاف
دیکھے ممبر ذرا ہو لوں تو کر دوں سب کو صاف
مہتر اُن کے در پہ جھاڑو دینے آئے کیا مجال ؟
اور سقا مشک سے نالی دھلائے کیا مجال
ٹیکس گھروارے کا اُنپر بندھہ نہ جائے کیا مجال
لے لیں بمبا گھر میں بے میٹر لگائے کیا مجال
ناچ نگنی کا اُنہیں اب میں نچاؤنگا حضور
دیکھئے کس کس طرح اُن کو ستاؤنگا حضور
خوش ہوے سن کر جناب مولویؒ مکتبی
ہاتھہ پھیرا ریش پر اور اس طرح تقریر کی
آپ اُس کے اہل ہیں میری نظر میں واقعی
ذات سامی کو سمجھتا ہوں میں فخر ممبری
محترم ! میں وعدہ قبل از وقت کرسکتا نہیں
فرض ہے ایفائے وعدہ پھر مکر سکتا نہیں
اس میں اک اشکال شرعی اور بھی ہے کیا کہوں
میں اعانت آپ کی بالفرض قرطاساً کروں
رائے تو اپنی ہبہ کردوں عوض کچھہ بھی نہ لوں
کیوں بدا ضائع کروں کس واسطے ممبر بنوں
جانتا ہوں یہ بھی میری رائے ہے کتنی وقیع
مفت ضائع کیوں کروں جب میں نہیں ہوں مستطیع

حسب خواهش گر بدل مجھکو عطا کردیں جناب
کیا عجب پیش خدا ماجور بھي هوں اور مثاب
میں نے دکھلا دي حدود شرع میں راہ صواب
میرے معروضات کو فرمائے گر مستجاب
رائے دے دینے میں احقر کو تامل کچھہ نہ هو
خود کروں تعجیل حتماً پھر تساهل کچھہ نہ هو
رائے دیدوں گا عوض میں آپکو '' خمسین '' کے
انلے هي ملتے هیں مجھکو وعظ کے تلقین کے
حضرت والا تو کچھہ پابند هیں آئین کے
اس سے کم دینا مرادف هے مري توهین کے
هاں یہ ممکن هے کہ کچھہ تقلیل فرما دیجیے
هے یہ کار خیراب تعجیل فرما دیجئے
خلّص احباب سے کیوں استشارہ کیجئے
راز پوشیدہ رهے کیوں آشکارا کیجئے
سب سے اچھا هے ذرا زحمت گوارا کیجئے
لیجئے تسبیح مجھہ سے استخارا کیجئے
عرض کي هے میں نے جو اتني رقم پر دیکھئے
منع جب آئے تو پھر کچھہ اُس سے کم پر دیکھئے
یہ نہایت کائیاں تھے دل میں بولے سوچ کے
شکل تو اچھي هے پر زیبا نہیں میرے لئے
استخارہ میں کروں کیا آپ کے هوتے هوئے
کرتا هوں نیت تو میں آپ استخارہ دیکھئے
نیت ان کے دل میں تھی تسبیح اُن کے هاتھہ میں
چوھا اپني گھات میں تھا بلی اپني گھات میں

منع آیا استخارہ چھوٹتے ہی پہلی بار
مولوی صاحب کے چہرے پر ہوا کچھ انزجار
پھر جو دیکھا واجب آیا ہو گئے بے اختیار
پوچھا نیت کس قدر پر کی تھی بہر خاکسار
بولے نیت دس پہ کی تھی لیجئے بندہ نواز
کامیابی کی دعا فرمائیے بعد از نماز
اس جگہ سے اٹھ کے گھر پر ایک صاحب کے گئے
دس برس ناکام رہنے پر ہوئے تھے جو بی اے
ریلوے میں تھے ملازم خود بھی تھے چلتے ہوئے
آپ کی تنخواہ تو کم ٹھاٹ تھے لیکن بڑے
انگلش اسٹائل پہ رہنے کا جو ان کو شوق تھا
بوٹ بیڑی پاؤں کی کالر گلے کا طوق تھا
پھوس کے چھپر میں رہتے تھے یہ اِس سامان سے
اوو فرنیچر تو خارج ان کے تھا امکان سے
ٹوٹی پھوٹی کرسیاں لے کر کسی دوکان سے
بیٹھتے تھے اُن پہ چھپر میں نہایت شان سے
نام اک تختی پہ لکھ رکھا تھا یوں بہر وقار
'' مسٹر ابراھام '' بی اے - ٹی ٹی سی ' ای آئی آر
دیکھ کر صورت کو ان کی اس طرح کہنے لگے
'' آئی ایم ویری بزی میک ھسیٹ جلدی بولئے ''
پھر ادھر ٹہلے اُدھر ٹہلے گھڑی کو دیکھ کے
اپنے کتے سے کہا کم سون '' ان سے '' گواوے ''
پھر کہا یو آر کنڈیڈیٹ بٹ نو بولڈ مین
تم کو اپنی ووٹ کیسے ڈیگا صاحب اولڈ مین!

چونکہ کنڈیڈیٹ انگریزی سمجھتے ہی نہ تھے
گڑ گڑا کر اس طرح صاحب سے فرمانے لگے
یہ تو ممکن ہی نہیں ہے آپ پیدل جائے
میں نے موٹر مانگ لی ہے آپ ہی کے واسطے
اور کیوں کر اس طرح چلئے گا دیلے مجھکو ووٹ
کیجئے پاکٹ بک پہ تاریخ الکشن جلد نوٹ
بات انگریزی نما اردو میں یوں صاحب نے کی
ہم کہا انگلش میں تم سمجھا نہیں ''او آئی سی''
ڈیکھو اپنی ووٹ رکھنی مانگتا ہے ہم فری
کس کو ڈے گا پہلے بتلانے نہیں سکتا کبھی
ہام ستی فادر نہیں تم کو بتانے مانگتا
ہم
ڈیم پھر موٹر پہ ہم کاہے کو جانے مانگتا
ہو کے یہ مایوس جب پلٹے وہاں سے منھہ بنائے
دل میں کہتے تھے کہ ان کا ووٹ تو جاتا ہے ہائے
سال بھر پہلے بڑے دن میں جو ڈالی دے تو پائے
اب بجز اس کے کوئی صورت نہیں بنتی بنائے
فیس دے کر نرس اک پھر سفارش لاؤنگا
چل گیا چکمہ تو ان سے ووٹ پھر لے جاؤنگا
پھر بڑھے آگے یہاں سے ووٹ کے ارمان میں
گھس پڑے یہ اک بز قصاب کی دوکان میں
نثر میں پڑھکر قصیدہ پہلے اُس کی شان میں
چاہتے تھے یہ کہیں کچھہ شیخ جی کے کان میں
یوں کنوتی کو بدل کر شیخ صاحب نے کہا
سنئے حجرت ہم لگی لپٹی نہیں رکھتے جرا
حضرت ذرا

چودھری نے کل کہا تھا ہم سے اے بھیا سکور

سیکھ مٹّے جسکو کہہ دیں بوٹ دیدیدا جرور

ضرور

پر مناھي کر گئے جب مولبي عبدل گفرر

راپھجي کو بوٹ دے سکتے نہیں ھم تو حجور

رافضی حضور

سنتے ھیں '' کرآن '' میں پھرما گئے تھے کھود رسول

قرآن فرما خود

دین کي جب بات تھري دکھل دیدا ھے پھجول

دخل فضول

حاجی کطب‌الدین بھي کہتے تھے سچي ھے یہ بات

گیر مجھب والے کسو لمبر بنانا باھیات

غیر مذھب ممبر واھیات

سیکھہ جي مجھب تمھارا اور اُن کی اور جات

ذات

ھو کے ممبر وہ کھدا جانے کریں کیا واردات

خدا

ھاں کوئي مجھب کا اپنے ھو تو اُس کو بوٹ دو

جب تمھیں موکا ملے ایسوں کو بھیا چوٹ دو

موقع

ان کو بز قصاب نے جب دے دیا سوکھا جواب

یہ اُٹھے دوکان سے مایوس باچشم پُرآب

اپنے ورکر سے کہا جا کر کہ سنئے تو جناب

آپ ھي تدبیر اب کچھہ کیجئے اسکي شتاب

صرف کی پروا نہیں جو ھو مناسب کیجئے

شیخ جي کے ووٹ کو لیکن نہ جانے دیجئے

دل میں ورکر خوش ہوے کہنے لگے باصد سرور
اس طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیے حضور
اور لوگوں سے زیادہ صرف تو ہوگا ضرور
تو سہی جب آپ ہی کہ ووٹ دیں عبدالشکور
پھر لوٹن شاہ کی خدمت میں جاتا ہوں ابھی
حکم اُن کا شیخ جی کے پاس لاتا ہوں ابھی
پھر لوٹن شاہ تھے اک خاندانی تکیہ‌دار
آنکھہ میں سرمہ لگی رتی ' گلے میں چند ہار
ریش اقدس پان کے دھبوں سے رشک لالہ زار
گیروا کرتا گلے میں ہاتھہ میں اک پشت خار
زرد تہمد پاؤں میں لکڑی کی اونچی سی کھڑاؤں
گھومتے پھرتے تھے یونہیں شہر شہر اور گاؤں گاؤں
پھونچے ورکر اُن کی خدمت میں بہ تعجیل تمام
دو روپیہ نذرانے کے دے کر کیا جھک کے سلام
عرض کی ہیں آپ تو حاجت روائے خاص و عام
شیخ جی کا ووٹ دلوا دیجئے بس ہے یہ کام
چونکہ ہیں حضرت کی بعیت میں میاں عبدالشکور
آپ فرمادیں اگر تو ووٹ دیدیں گے ضرور
آپ کی دعوت کا کل گھر پر کرونگا انتظام
شیخ جی کو بھی بلالونگا وہیں پر وقت شام
تذکرہ ' میں ووٹ کا چھیڑونگا مابین الطعام
آپ ان کو حکم دیدنگے تو ہو جائیگا کام
بولے لوٹن شاہ با با خوش رہو ' دعوت قبول "
ہم فقیروں کی دعا سے ہوگا سب مطلب حصول

مختصر سے ابتدائی واقعے جو کچھہ لکھے
کیا عجب کافی ہوں، یہ پبلک کی عبرت کے لئے
اس طرح کے ووٹر اور ممبر ہوں جب اس قسم کے
کیسے اس میونسپلٹی سے کسے راحت ملے
ساکنان شہراب ہشیار ہونا چاہئیے
ممبر اور ووٹر کا کچھہ معیار ہونا چاہئیے

فتنہ و عطر فتنہ اور حضرت ریاض

منشی سجاد حسین مرحوم کا اودھ پنچ جس زمانے میں اپنے پورے شباب پر تھا اُسی زمانہ میں سید ریاض احمد ریاض (خیرآبادی) کا ریاض الاخبار گورکھپور سے نکل رہا تھا - فتنہ و عطر فتنہ بھی ریاض الاخبار کے ساتھہ نکلا کرتے تھے ' فتنہ اپنے نام کے لحاظ سے فتنہ ہی تھا ' پوسٹ کارڈ سایز سے بھی کم ' ۱۶ صفحہ کی بساط ہی کیا ہے ' مگر جس شوخی اور جس لطیف طنز کے نمونے اس میں پائے جاتے ہیں ' اُس زمانے کے لحاظ سے اس کی جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے ' فتنہ '' کل قصیر فتنہ '' کا مصداق تھا اور ہر بزم ادب میں نہایت شوق سے پڑھا جاتا تھا ' حضرت ریاض ہی کا شعر ہے :—

فتنہ کو پوچھتا ہے کوئی کس ادا کے ساتھہ
چھوٹا سا وہ ریاض کا اخبار کیا ہوا

'' فتنہ '' میں مختصر نثر کے شوخ اور ظریفانہ مضامین ہوتے تھے اور عطر فتنہ میں اُس زمانے کے شعرا کا منتخب کلام شایع ہوتا تھا - حضرت ریاض نے جب ریاض الاخبار حکیم برحم

مرحوم کے سپرد کیا تو اُسی کے ساتھہ فتنہ و عطر فتنہ بھی حکیم صاحب مرحوم کو دیدیا ' حکیم صاحب نے کچھہ دنوں کے بعد ریاض الاخبار بند کر کے '' مشرق '' نکالا اور فتنہ و عطر فتنہ کو چند دنوں تک جاری رکھا ' فتنہ کے خاص لکھنے والوں میں خود حکیم برہم مرحوم ' علی اصغر آزاد چشتی اور ع - ک آزاد مرحوم تھے -- ان مضامین میں زیادہ تر مقامی رنگ اور شباب و لذت نظر کا مظاہرہ ہوتا تھا - مگر لطافت مذاق کا دامن کہیں سے چھٹتا نہ تھا - حضرت ریاض خیرآبادی کی شاعری جس خصوصیت کی حامل ھے اس کی صحیح مثال اگر دیکھنا ہو تو فتنہ و عطر فتنہ کو دیکھنا چاھئے - ان کی شاعری حسن و عشق کی چھیڑ چھاڑ ' رندانہ شوخی ' اور سوسائٹی کی زندہ دلی کا مظاہرہ ھے ' فتنہ و عطر فتنہ کے اوراق بھی پورے پورے طور پر انھیں چیزوں کے حامل تھے ' اپنے اختصار ظاہری اور ھیئت تعویذی کی مناسبت سے فتنہ کے مضامین بھی فقرے ' جملے اور چٹکلوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے لیکن اُن میں تیزی اور نشتریت بلا کی تھی ' شاید اس سے زائد تفصیل و طوالت فتنہ و عطر فتنہ کے قد و قامت کو پیش نظر رکھکر ' مناسب نہ ہو ' لیکن اس کے روح رواں حضرت ریاض خیرآبادی کے شوخ و رندانہ کلام کے کچھہ نمونے یہاں پیش کر دینا غالباً بےموقع نہ ہو - حضرت ریاض کی شاعری مجموعی طور پر ایک منفرد حیثیت رکھتی ھے خمریات کے سلسلے میں ان کی شوخی و رندی کی لَے جہاں جہاں ذرا اونچی ہو گئی ھے وھاں طنز و

ظرافت کا بھی بہترین نمونہ بن گئی ہے - اس طرح کے چند
اشعار ملاحظہ ہوں :—

اس طرح کل طرفِ میکدہ جاتے تھے ریاض
ایک عصا تھامے ، عبا پہنے عمامہ باندھے

زمزمی سے جام مے میں گر پڑا پانی سوا
میری قسمت کی جو تھی وہ آج سب پانی ہوئی

بڑے نیک طینت بڑے صاف باطن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

تا میکدہ ریاض کا جانا محال تھا
کس طرح یہ بزرگ خمیدہ کمر گئے

سر بزم واعظ سے دبنا پڑا
وہ خُم سے سوا تھا تن و توش میں

ادب سے پی نہیں سکتا ہوں بے اجازت شیخ
ذرا یہ سر جو ہلا دے ابھی سبو آئے

بچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دوکان سے آج

اُٹھے کبھی گھبرا کے تو میخانہ میں ہو آئے
پی آئے تو پھر بیٹھ رہے یادِ خدا میں

وہ بیٹھے ریاض آج تو کچھ جھوم رہے ہیں
اب یہ بھی گئے جاتے ہیں مردانِ خدا میں

عمر بھر ساتھ فرشتوں کے نباہی کیسی
دیکھنا یہ ہے کہ دیتے ہیں گواہی کیسی

ہماری نظر شیخ پر حشر میں تھی
وہ سر پر لئے حوضِ کوثر نہ نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجومِ حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے

ہمیں چاٹ کوثر کی دی واعظوں نے
ملے ہم کو پیرِ مغاں کیسے کیسے

گناہ اور اس پر فرشتے بھی دو دو
مرے سر ہیں بارِ گراں کیسے کیسے

اتنے لئے کہ آؤ بھگت میکدے میں ہو
پوچھا جو گھر کسی نے تو کعبہ بتا دیا

کیسے یہ بادہ خوار ہیں سُن سُن کے پی گئے
واعظ کو کچھ مزہ نہ کسی نے چکھا دیا

ہمارا عیب کھلتا ہے نہ کھلتی ہے چھپی بوتل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

وہ بھی بخشے گئے ہم بادہ کشوں کے ہمراہ
آج جنت میں ہمیں ناصح مغفور ملے

اُتری ہے آسمان سے جو کل اُٹھا تو لا
طاق حرم سے شیخ وہ بوتل اُٹھا تو لا

دست شفقت اس طرح اک رند نے پھیرا ریاض
بیٹھ کر یادِ خدا میں جھومتا جاتا رہا

سلطان حیدر جوش (علیگ) کی طنز میں فلسفیانہ ظرافت اور ظرافت میں فلسفیانہ طنز کا دلنشین عنصر بہت نمایاں ہے - اس قسم کی ظرافت اور طنز کی ابتدا، اردو ادب میں، کسی نہ کسی حد تک، سلطان حیدر صاحب ہی کی جدت طبع کا نتیجہ ہے - جوش غالباً پہلے لکھنے والے ہیں جنھوں نے اردو طنزیات اور مضحکات میں مغربی آب و رنگ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی - ان کی تحریر میں اسپیکٹیٹر کی نشتریت بھی کہیں کہیں نظر آ جاتی ہے گو اسپیکٹیٹر کی رعنائی خیال، پاکیزگی بیان،

ژرف نگاهي ' ایجاز و اختصار اور بے ساختگي کا فقدان بھي ھے -
سلطان حیدر کھنہ مشق انشاپرداز ھي نہیں بلکہ پختہ کار شخص
بھي ھیں - اُن کے خیالات میں بے ساختگي اور برجستگي کی
کمي کو اُن کا عمیق تجربہ اور عمیق‌تر احساس ذمہ‌داري پورا
کردیتا ھے - اُن کي تحریر میں غیرذمہ‌دارانہ فقرے بہت کم نظر
آئیں گے - یہہ ان کي انشاپردازی کا ممکن ھے کمزور پہلو ھو لیکن
ان کي شخصیت کا طرۂ امتیاز یقیناً ھے -

مضامین کا جستہ جستہ نمونہ حسب ذیل ھے :—

'' نئي دنیا نہ کہیں تھہري ھے نہ تھہرے گي - نئي روشني کا
انسان نہ کسي حد پر پہونچ کر رکا ھے نہ رکے‌گا ! وہ سب سے پہلے ایک
رقیق مادہ کی شکل میں ظاهر هوئي - گردش میں اپني پہلي جگہہ
سے شرارہ کي طرح علحدہ هوئي اور کچھہ فاصلہ پر قایم هوکر خود
چکرانے لگي - پھر اس سے ایک شرارہ نکل‌کر چاند بنا اور ? اور کیا وہ
تھلتی هوئی - اس پر هواؤں کے طوفان آئے ' نامتناهی بارش کا سلسلہ
جاری هوا - وہ سخت هوئي ' اس پر چھلکا بنا ' دریا پیدا هوئے '
پہاڑ نظر آئے - درخت وجود میں آئے عجیب‌الخلقت مخلوق
اس پر حاوی رهی - مگر وہ برابر اپنا روپ بدلتي رهي ' بدل رهي ھے
اور بدلتي رهیگي - یعني انسان پروتوپلازم کي ترقي‌یافتہ
صورت پہلے ایک مادہ تھا ' پھر اُس میں احساس پیدا هوا ' پھر
نمو شروع هوئي ' پھر حیوان بنا اور نئي نئي پوشاکیں پہنتا
هوا بندر کے تمام مدارج طے کرکے انسانیت میں قدم‌زن هوا
اور رهے‌گا - نہ اُس کو قرار نہ اُس کو چین - یہہ بندر سے
انسان بننے والي مخلوق اب انسانیت کے مدارج طے کر رهي ھے
اُس کے بعد کوئي نہیں کہہ سکتا کہ ترقي کے زینہ میں کہاں

پہنچےگي ! بہت ممکن ھے کہ وہ بندر جو خوش قسمتي سے اب تک انسان نہیں بنے ھیں ہنستے ھوں اور حضرت انسان کي کشمکش دیکھکر انسانیت کے نام سے کانوں پر ھاتھہ دھرتے ھوں - مگر یہہ ایک فیکت ھے اور اس سے انکار خدا کے وجود سے انکار سے زیادہ ناقابل معافي گناہ اور حماقت ھے ا

باوا آدم کی اولاد انسان تو ھمیشہ سے انسان ھي ھے - انسان کے علاوہ کسي اور روپ میں نہ وہ کبھي جلوہ‌فگن ھوا اور نہ آئندہ ھونے کي اُمید رکھتا ھے ا

انسانیت کے دائرہ سے اس نے نہ کبھي قدم باھر رکھا نہ رکھےگا ! اس لئے وہ ایک خاص حد پر پہونچ کر قانع ھو جاتا ھے ' رک جاتا ھے اور اپنے مذھب یا عقیدہ کو اپني زندگی کے لئے بلکہ ھر ایک آنے والي نسل کي زندگي کے لئے کافي مان لیتا ھے - اس کا خاص خیالات سے تجاوز نہ کرنا کچھہ بھي تعجب نہیں - مذھب اس کو مانع ' خدا اس کو مانع ' لہذا وہ اپنے عقیدہ کے موافق جائز حدود سے تجاوز کبھي کسي زمانہ میں نہیں کرسکتا !

مگر پروتوپلازم سے بندر اور بندر سے انسان بننے والا ' بلکہ انسانیت سے گذر کر خدا جانے اور کیا کچھہ بننے کے لئے تیار انسان نہ کہیں تھرا ھے نہ تھہرنا چاھتا ھے ' نہ تھہرےگا - ترقي ایک لامحدود چیز ھے اور زمانہ برابر بڑھے جانے والی شے - خیالات تبدیل ھونے والي چیز اور تہذیب زمانہ کے موافق منقلب ! لہذا نئي روشنی کے انسانوں کے لئے کوئي روک نہیں ! یہ امید رکھنا کہ بغیر کسي عقیدہ مذھبی کے وہ خود بخود تہذیب کي حد سے نہ گذرےگا '' اسي قدر لغو ھے جس قدر کہ مہمل........"

"سنسر"

"..........کل کے برخوردار آج کے پدر بزرگوار ہیں !
ہر چیز ترقی کے رنگ میں کینچلی اُتارتے رہنے کی عادی ہے سنسر کی شخصیت نے بھی زمانہ کے قدم بقدم چل کر حسب حاجت ہمیشہ نئے قالب اختیار کئے ہیں ! جس وقت سے اسکول اور نئی یونیورسٹی نے جنم لیا ' سنسر کی ذات نے بھی اس دائرہ میں شکل ممتحن میں جلوہ فرمایا - جس قدر تعلیم کی تیز روشنی کے ساتھ طلبا کی تعداد بڑھتی گئی اِسی نسبت سے جزو سنسری ممتحن کی ذات و صفات پر غالب آتا گیا - چنانچہ فی زمانہ اگر تعلیم اس حد پر پہنچ گئی ہے کہ قلی بھی انٹرنس پاس سے کم نہیں لیا جاتا ' تو ممتحن کا فعل قطع و برید بھی اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اگر سو لڑکے اِنٹرنس میں شامل ہوں تو ام اے پاس کرنے تک بلا مبالغہ صرف ایک ذات واحد رہ جائیگی اور اگر اس سے آگے قدم........بڑھایا گیا تو شاید سنسر تعلیم کی جوع قطع و برید کو سیر کرنے کے لئے فردوس بریں کے رہنے والے تعداد کو پورا کرنے کی خاطر طبقۂ اسفل کی طرف تشریف لیجاکر شریک امتحان ہونگے !

"..........ہر چیز کے لئے ایک خاص حد مقرر ہے اور جب کوئی چیز اپنی حد مقررہ سے متجاوز ہو جاتی ہے تو سنسر کی ذات قاطع ' موزوں شکل میں جلوہ گر ہو کر ضروری اصلاح کا فرض پورا کر دیتی ہے - انسانی آبادی ہمیشہ رو بترقی ہے اس لئے جب کبھی اور جہاں کبھی یہ آبادی مردم‌شماری کے معین حدود سے بڑھ جاتی ہے فوراً حسب

رفتار ترقي اس کی قطع و برید ہو جاتي ہے! '' حسب رفتار ترقي '' سے یہ مطلب ہے کہ جس حصہ ملک میں دو افراد انساني کی باهمی کوشش سال بھر میں صرف ایک تیسرے وجود کو پیدا کر سکے وهاں سنسر کي روح محض وبائی موسمی رنگ میں تھوڑے سے اجسام کا قلع و قمع کرکے اعداد کي اصلاح کر دیتي ہے اور جس طبقہ مردم‌خیز میں ایک اور ایک ملکر گیارہ ہو جاتے ہوں وهاں سنسر کي ذات بھي جنگ تباہ‌کن کي شکل میں بلائے آسماني کي طرح نازل ہو کر درجن کے درجن لمحوں میں فنافي‌الحرب کر ڈالتي ہے......''

شوکت تھانوي اور ملا رموزي کا انداز تحریر تقریباً ملتا جلتا ہے - یہاں ملا رموزي کے اس رنگ سے بحث نہیں ہے جو انھوں نے ابتدا میں گلابی اُردو کے تحت میں اختیار کر رکھا تھا - گلابي اُردو کي تشریح نازش رضوی صاحب نے یوں کي ہے :

'' گلابي اُردو میں ملا رموزی صاحب نے مشہور فارسی ' عربی ضرب‌الامثال ' اشعار اور مقولوں کے اُردو ترجمہ میں اپني اجتہاد و تصرف سے جو ندرت و شگفتگی پیدا کی ہے وہ ادبیات اُردو میں زعفران‌زار کي حیثیت حاصل کر چکی ہے - ''

ملا رموزي نے وہ رنگ اب تقریباً ترک کر دیا ہے - ان کا موجودہ انداز تحریر اور موضوع ایک حد تک عام‌پسند اور عوام‌پسند دونوں ہے - شوکت تھانوي کے مضامین کا اُٹھان اور لب و لہجہ بھی ملا رموزی کي طرح قطعاً بازاري تو نہیں لیکن '' روزمرہ '' ضرور ہے - جزیات کے دونوں امام ہیں -

خوب سوجھتی ہے لیکن کہنے کا انداز بسا اوقات ضرورت سے زیادہ عُریاں اور بے جھپک ہوتا ہے - ملا رموزی کی اُردو میں شگفتگی اور برجستگي بھي ہے ' شوکت تھانوی کي تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صحیح اُردو لکھنہ ضرور لیتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں اُن کو کوشش بھي کرنی پڑتي ہے - یوں سمجھہ لیجئے رموزي لکھتے ہیں اور چھپوا دیتے ہیں ' تھانوی سوچتے ہیں ' لکھتے ہیں ' مسودہ صاف کرتے ہیں اس کے بعد چھپواتے ہیں -

شوکت میں " شگفتگي " ضرور ہے لیکن ابھي " شگفتہ نگاري " پر پوري قدرت حاصل نہیں ہوئي ہے - اس کا سبب ممکن ہے یہ ہو کہ انھوں نے مطالعہ پر کافي وقت نہیں صرف کیا ہے ' لکھنا بغیر پڑھنے کے نہیں آتا ' اور پڑھنا بغیر لکھنے کے بےکار ہے - ملا رموزی کی تحریر میں اتني پختگی ہے کہ آئندہ اس میں اصلاح یا ترقي کي گنجائش نہیں معلوم ہوتي ' شوکت میں ابھي ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں - یہي نہیں ' اگر وہ ترقي کي کوشش نہیں کریںگے تو بہت ممکن ہے اُن کي شخصیت اور انشاپردازی دونوں خطرہ میں پڑ جائیں - اُن کو ابھي سے خرمن جمع کرنے کي فکر دامنگیر معلوم ہوتی ہے حالانکہ ابھي اُن کي کھیتي لہلہانے بھي شروع نہیں ہوئی ہے -

شوکت تھانوی کے بعض مضامین کا مختصر نمونہ پیش کیا جاتا ہے -

"..........اس وقت تمام مہذب اقوام کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے کو مہذب ثابت کرنے کے لئے کتا ضرور ہمراہ رکھتي ہیں - کوئي جنٹلمین بغیر کتے کے کبھي مکمل جنٹلمین نہیں ہو سکتا - کوئي لیڈي بغیر کتا بغل میں دبائے کبھي لیڈی

نہیں ہوسکتی ، کوئی موٹر بغیر کتے کے موٹر نہیں ہوتا اور کوئی مکان بغیر کتے کے دولتخانہ نہیں ہوتا -

ہندوستانیوں کی جہالت پر تو خیر رونا آتا ہے لیکن یورپ اور امریکہ کی تہذیب ملاحظہ فرمائیے کہ وہاں ہر معزز آدمی کی شناخت صرف یہ ہے کہ اُس کے سر پر ، گود میں ، آگے پیچھے ، اِدھر یا اُدھر ایک ہانپتا ہوا زبان نکالے دُم ہلاتا ہوا کتا ضرور ہو اور اگر کسی مغربی آدمی کے ساتھ کتا نہ ہو تو اس کے متعلق یہ بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا وہ آدمی بھی ہے یا نہیں اور اگر آدمی ہے تو یوں ہی سا ہے - مغربی خواتین کا یہ حال ہے کہ بغیر کتے کے ان کو لطف زندگی ہی نہیں حاصل ہوتا - جب تک ان کے نرم اور معطر آغوش میں ایک پلّا نہ دبا ہو وہ اپنے عدم اور وجود کو یکساں سمجھتی ہیں اور اگر پلّا دبا ہوا ہے تو اُس سے ایسی محبت کرتی ہیں کہ انسان اس پر رشک کرے - اُسے اس طرح چومتی چاٹتی اور دبوچتی ہیں کہ ان کے عشاق کتا بن کر نہ پیدا ہونے پر فطرت سے شاکی ہو جاتے ہیں یا کتا بن جانے کے لئے دست بدعا ہو جاتے ہیں ورنہ یہ بات تو اکثر دیکھنے میں آئی ہے کہ محبوبہ کے کتے کو موقع پاکر محبت سے اٹھا لینا ایک قسم کی " تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے " ہوا کرتی ہے........

قدر سگ انگریز داند یا بداند اس کی میم "

"......اس ڈبے میں بیٹھنے کو تو بیٹھ گئے لیکن دل بار بار یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح سر کی ترکی ٹوپی ہیٹ بنجائے اور شیروانی ایک ایسا کوٹ جو پاجامے کو بھی پتلون

بتادیا کرتا ھے اس لئے کہ اس جسارت کے بعد یہ خوف تو بہرحال دل میں موجود تھا کہ کہیں اس تھرڈ کلاس کي جلمت سے ہم کو ابن آدم سمجھکر نکال ندیا جائے یہ تو بہت آسان تھا کہ ہم وقتي طور پر بجائے مسلمان ہونے کے عیسائي بن جاتے لیکن اس لباس کا کوئی علاج ہمارے ذہن میں نہ تھا جو کبھي مذھب نہیں تبدیل کرتا - ہمارا خوف بیجا نہ تھا اور بیجا کس طرح ہوتا جب کہ ہم خود حق بجانب نہ تھے - نہ تو ہم انگلو انڈین تھے نہ صرف ' انگلو ' بلکہ محض "انڈین" تھے لہذا حق بجانب بھي نہیں ہو سکتے تھے - تھوڑي دیر کے بعد گارڈ نے ہم کو نکل جانے کا حکم دیا جس کو ہم نے اس طرح سنا گویا سمجھے نہیں اور وہ سمجھا کہ ہم سمجھہ گئے - مگر گاڑي کي روانگي سے دو منٹ قبل ہم کو پھر اردو زبان میں نکل جانے کے متعلق سمجھایا گیا جس کو ہم نے سمجھنے کي کوشش نہیں کی - گارڈ صاحب نے بہت سے "کریو میں" ہم پر تعینات کئے کہ وہ ہم کو نکال دیں لیکن ہم نے اسمبلي کے تمام واقعات پر روشني ڈالتے ہوئے ایسي مدلل بحث کی کہ گاڑی نے سیٹي دیدي - اس آخری وقت میں گارڈ صاحب کے دل میں تو نہیں معلوم کہ کونسا انتقامي جذبہ پیدا ہوا ہوگا لیکن انہوں نے کیا صرف وہ جو ہم لوگ خود اپنے بچپن میں کیا کرتے تھے یعني ڈبہ میں داخل ہو کر روشني گل کردي . . . . میرے منھہ سے نکل گیا -

تو مشق ناز کر سارا اندھیرا میرے ڈبے میں -

اپنے بچے اور غالباً دوسروں کے والدین کو شاھکار کا مفہوم تلقین فرماتے ھیں -

" آج کا موضوع شاھکار ھے - یہ ایک لفظ ھے جس کو تم انساني نام سمجھے - یہ کسي انسان جانور جگہ یا چیز کا نام نہیں ھے - بلکہ ایک لفظ ھے جسکو انگریزي میں " ماسٹر پیس " Master piece کہتے ھیں اور جس کا تھوڑا بہت مفہوم لفظ ' کارنامہ ' سے ادا ھوتا ھے اس لفظ کے معني ھیں کاموں کا بادشاہ اس لئے کہ ' کار ' کہتے ھیں کام کو اور اگر ' کار ' کے معنی موٹرکار لئے جائیں تو شاھکار کے معنی ھونگے " مسٹر فورڈ " لیکن چونکہ یہاں اُردو زبان کے لفظ کار سے بحث ھے لہذا اس کار کے معني ھیں کام اور جب اس میں شاہ لگا دیا گیا تو یہ ھو گیا شاہ کام یعني کاموں کا شاہ - اس کو اس طرح سمجھو کہ مثلاً تمنے اپني مختصر زندگي میں سب سے بڑا کام یہ کیا ھے کہ اپنی ھوائي بندوق سے فاختہ مار ڈالی - اس فاختہ کے شکار کو تم اپنا شاھکار کہہ سکتے ھو - اسی طرح میرے شاھکار تم خود ھو ' مہاتما گاندھي کا شاھکار چرخہ ھے - مولانا محمد علي کے شاھکار مولانا شوکت علي ھیں ' انگریزوں کا شاھکار کنگ پرائمر ھے ' ھندوستان کا شاھکار تاج محل ھے ' تاج محل کا شاھکار مولانا سیماب ھیں مولانا سیماب کے شاھکا ساغر نظامي یاراز چاند پوري ھیں........ "

مرزا عظیم بیگ چغتائي بحیثیت ایک ظرافت نگار کے اردو ادب میں " نوخیز " ھیں - یہاں اُن کے مصنف ھونے کي حیثیت معرض بحث میں نہیں ھے - اس کا اعتراف نہایت بلند آھنگي کے ساتھہ انھوں نے خود کیا ھے جس کي داد نہ دینا کم ظرفي بھي ھے اور بدمذاقي بھی ' مثلاً فرماتے ھیں '

"میں نے بہت سی کتابیں لکھی ھیں ۔ مصنف ھونا میرے لئے کوئی نئی بات نہیں جب نویں جماعت میں تھا تو "قصر صحرا" لکھی جب انٹرنس پاس کیا تو قصر صحرا کا حصہ دویم لکھا اور جب بی اے میں آیا تو موجودہ پردہ کی بدعت کے خلاف پبلک کے سامنے "قران اور پردہ" کو پیش کیا........مجھے کچھ اپنے طرز تحریر اور زبان کے بارہ میں بھی کہنا ھے - میرے تمام افسانے اوریجنل ھیں ' واقعات سے پُر ' بحمد اللہ میرے تمام افسانوں کے ھیرو بقیدحیات ھیں ' تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ھیں اور کسی افسانہ میں افسوس کہ میں مشہور یوروپین یا امریکن افسانہ سے کچھ بھی نہیں لے سکا........"

مرزا چغتائی نے مذاقیہ مضامین لکھنا نسبتاً حال ھی میں شروع کیا ھے اور یہ کہنے میں بمشکل کسی کو تامل ھوگا کہ اپنے انداز میں وہ قطعاً منفرد اور قطعاً کامیاب ھیں ' ان کا یہ ادعا کہ "تمامتر افسانوں کے پلاٹ میں نے واقعات اور اپنی معاشرت سے لئے ھیں" جتنا صحیح ھے اتناھی مبارک اور مستحسن ھے ' اور یہی سبب ھے کہ ان کی تحریر میں ان کی شخصیت اور انفرادیت بدرجہ اتم نمایاں ھے - "واقعات" اور "معاشرت" کا سہل ' سادہ اور دلچسپ رنگ ان کی تحریر اور طرز تحریر دونوں پر چھایا ھوا ھے. ان کی تحریر سادہ ھے لیکن "سپاٹ" یا بے رنگ نہیں ' یہ ان کے خلوص اور "ھمدردی" کا ثبوت ھے اور ثبوت ھی نہیں بلکہ فیضان بھی - ان کی تحریر میں کہیں ژولیدگی یا کیندگی نہیں پائی

جاتي ' ہمیشہ نہیں تو کبھي کبھي یہي زہرناکي اور کیلنگي ' کمیلنگي یا کم ظرفي میں تبدیل ہوجاتي ہے ' طنز یا ظرافت بڑی خطر ناک سر زمین ہے ذرا لغزش ہوئي اور لکھنے والا کہیں کا نہ رہا -

مرزا چغتائی کي رگ و پے میں مشرق اور مشرقیت سرایت کئے ہوئے ہے ' ان کو اردو لکھنے پر کافي قدرت ہے - اپنی ان دونوں حیثیتوں پر وہ کبھي ظلم نہیں کرتے اور یہي سبب ہے کہ ان کے الفاظ اور مفہوم دونوں میں بے ساختگي اور شگفتگي ہوتي ہے - اس بے ساختگي اور شگفتگی میں ایک خفیف سي جھلک "قلندرانہ پن" کي بھي ہے جس کو حسن یا قبح دونوں سے تعبیر کر سکتے ہیں لیکن امید ہے کہ سن و سال کا بار حشو و زوائد کو زائل کردے گا اور یہ دیوار قہقہہ کبھي نہ کبھي تاج محل بنکر رہیگی - بشر طیکہ آئیندہ وہ خود اپني تصانیف کا مقدمہ نہ لکھا کریں جس کا حوالہ ابتدا میں دیا گیا ہے !! امید ہے کہ رسالوں کے مختلف اور بے شمار اڈیٹر صاحبان بھی ان پر رحم فرمائیں گے کیونکہ مرزا صاحب کي مروت ان کو "بسیار نویسي" پر مجبور کرتي ہے اور بسیار نویسی کا دوسرا نام کم سے کم صحیفہ ظرافت میں لغویت بھي ہے !!

بعض نمونے حسب ذیل ہیں -

الشذري :-

"..........حج سے پہلے وہ چودھري صاحب تھے اور حج کے بعد الحاج الشذري الهقي........ان کي تمام کوششیں اپنے کو عرب بنانے میں بالکل اسی طرح ضائع جاتي تھیں جس طرح بعض دیسي عیسائي کوٹ پتلون پہنکر غلط اُردو دیدہ

دانستہ بولتے ہیں اور غلط انگریزی مجبوراً اور نہ پر تہ سفید پاوڈر کی لگاتے ہیں مگر حقیقت نہیں چھپتی اور بعینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کمرہ میں قلعی ہوتی ہے اسمیں کسی زمانہ میں ضرور باورچی خانہ تھا نہ یورپین انٹر میں بیٹھنے سے کام چلتا ہے اور نہ یورپین نرخ پر چائے خریدنے سے - غرض یہی حالت چودھری صاحب کی تھی کہ عرب بننے کی تمام کوششیں رائگاں جاتی تھیں........بھائی شفری نے کہا " ارے میاں عربی بولنا اور سمجھنا اسقدر آسان ہے کہ ہر وہ شخص جو ہماری تمہاری طرح اُردو جانتا ہے اور فارسی میں قدرے دخل رکھتا ہے بڑی آسانی سے عربی بول اور سمجھ سکتا ہے ....کچھہ نہیں صرف معمولی اُردو میں مِنَّک - وَلَّ - آل - کُم - وغیرہ لگاؤ بس عربی ہوگئی.........."

عراق میں ایک ناؤ ایسی بھی ہوتی ہے جیسے گول پیالہ - خوش قسمتی سے ایسی ہی ناؤ ملی - میں تو چپ کھڑا رہا اور چودھری صاحب نے ہندوستانی عربی یا بالفاظ دیگر عراقی اُردو میں ملاح سے بات چیت شروع کردی - خدا معلوم انھوں نے کیا کہا اور ملاح نے کیا سمجھا - مگر نتیجہ اس گفت و شنید کا یہ ہوا کہ ہم دونوں ناؤ میں بیٹھہ گئے اور دریا کی سیر ہونے لگی - اس ناؤ کی تعریف کے چودھری صاحب نے پل باندھ دئے ' کہنے لگے کہ اس ناؤ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ گرداب میں پڑکر بھی نہیں ڈوبتی - میں نے تعجب ظاہر کیا تو اُنھوں نے کہا دیکھو ابھی اسے گرداب میں لے چلیں گے تاکہ تم خود دیکھہ لو میں نے کہا خدا کے واسطے رحم کیجئے - مجھکو ذرہ بھر شک نہیں آپ

سچ کہتے ہیں اور مجھکو تسلیم ھے کہ یہ کمبخت ناؤ حضرت نوح کی کشتی کا مقابلہ کرلے گی مگر وہ نہ مانے پر نہ مانے بیچ دریا کے بہاؤ سے ذرا ھٹ کر بڑے زور شور سے بھنور پڑ رھا تھا جسکو دیکھنے سے ڈر لگتا تھا - چودھری صاحب ملاح سے غلط سلط عراقی اُردو بول رھے تھے - چونکہ لفظ عمیق جانتے تھے - لہذا تمام تر دریا کی گہرائی پر گفتگو ھو رھی تھی - اب ملاح سے اُنھوں نے اس خوفناک بھنور کی طرف انگلی اُٹھا کر کہا "غریق کشتی من الگرداب" لفظ گرداب پر انگلی سے بھنور کی شکل بنائی اور بھنور میں ناؤ لے چلنے کا اشارہ کیا - میں نے کہا خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کرو مگر وہ میری سنتے ھی نہ تھے "ٹھہرو جی" کہکر انھوں نے میرا ھاتھہ جھٹک دیا - ملاح نے نہ معلوم انسے کیا کہا جسکو یہ قطعی نہ سمجھے ھونگے - مگر بات چیت بھلا کیسے رک سکتی، عربی میں فارسی اور انگریزی تمام الفاظ بولتے چلے جاتے خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے انکی بلا سے - نتیجہ یہ نکلا کہ میں چیختا پیٹتا رہ گیا اور ملاح نے تیزی سے کشتی لے جا کر گرداب میں ڈالدی .... اب چودھری صاحب کو بھی چکّر آئے .... میں تو سر پکڑ کر بیٹھہ گیا اور زور سے چلایا کہ خدا کے واسطے ناؤ روکو چودھری صاحب اس خیال میں تھے کہ جب جی چاھے گا رکوا لیں گے - چنانچہ اب اُنھوں نے خود ڈگمگاتے ھوئے، ملاح سے کہا "ایہاالشیخ شدۃالمن الرقص - اخرج علی الگرداب" بانگڑو ملاح واللہ اعلم سمجھتا بھی ھوگا یا نہیں کہ فارسی میں بھنور کو گرداب کہتے ھیں اور پھر الشذری اور خود اسکے

عربی کپڑوں کی پھڑ پھڑاہٹ اور دریا کا شور اور پھر لٹو کی طرف ناؤ کی گردش سمجھنا تو درکنار نہ معلوم ملاح نے سنا بھی کہ نہیں ۔ اس نے نہ سنا اور نہ سمجھا اور نہ سننے یا سمجھنے کی کوشش کی اور اللہ کا نام لے کر دانتوں سے اپنے ہونٹ دبا کر "ایاغ" کہہ کر زور سے پتوار پانی میں ڈالکر ناؤ کو اور بھی گھن چکر کر دیا .... میں سجدہ میں پڑا بجائے سبحان ربی الاعلی کے چلا رہا تھا خدا کے واسطے نکا لو ادھر اب الشذری بو کھلا کر چلائے "شدۃ المن الرقاصہ ایہ ایہا الشیخ" ۔ "خدا کے واسطے اخرج من الگرداب ۔ ارے مرا" میں پھر چلایا "ہائے مرا" اُدھر اس ناہنجار ملاح نے ایک مرتبہ اور پانی میں پتوار ڈالکر زور سے چکر کی تیزی میں اضافہ کر دیا .... چودھری صاحب نے اب وہاں دہائی تہائی دینا شروع کردی اور میں پڑے پڑے ان کوششوں کی داد دے رہا تھا وہ چلا رہے تھے "ابے نالائق شیخ برحمتک .... کم بخت اشدۃ المن الرقص .... ارے اخرج .... من الگرداب ارے موذی ناؤ نکال" چکراکر وہ پھر میرے اوپر گرے میں نے آنکھ کھولکر دیکھا ۔ ساری دنیا گھوم رہی تھی ۔ چودھری صاحب نے پھر دھاڑ کر کہا "ایہا الشیخ .... ابے الو........ ابن الالو والخنزیر .... قسم خدا کی........... واللہ .... ارے بھئی شیخ ارے اشدۃ المن الرقص........ارے مرے....... ابے روک .... روک .... ارے نکال .... یا اللہ .... ابے ایہا الشیخ من الموذی اخرج من الماؤگرداب .... نالائق .... بدمعاش .... واللہ بھئی شیخ .... مگر توبہ کیجئے بھلا ان باتوں سے کہیں ناؤ رکنے والی تھی !

سر پٹک پٹک ہم دونوں بیہوش ہوگئے -

نہ معلوم کتنے دیر بعد آنکھہ کھلی تو اپنے آپ کو دریا کے کنارے بےبس پایا - مارے درد کے سر پھٹا جا رہا تھا ' نہ طاقت رفتار تھی نہ طاقت گفتار.........بھائی شذری نہ معلوم کس طرح اُٹھہ کر کھڑے ہوئے کہ چاروں شانے چت گرے اور اِدھر وہ نابکار ملاح ہنس رہا تھا اور اپنی مزدوری کا طالب تھا......... جب ایک فارسی داں حضرت کا اُدھر سے گذر ہوا تو معاملہ صاف ہوا - ادھر الشذری نے ملاح کی شکایت کی کہ ہم دونوں کو اسنے ناؤ میں چرخ دے کر ادھمرا کر دیا اور پھر مزدوری مانگتا ہے ؟ اُدھر ملاح نے کہا کہ " ایسے لوگ بھی کم دیکھنے میں آئے ہونگے کہ مارے چکر کے مرے جا رہے تھے مگر بار بار یہی کہتے تھے کہ ناؤ کو شدت کے ساتھہ رقص کراؤ ' میرا خود سر چکرا گیا اور دگنی مزدوری واجب ہے "

" ارے کمبخت چودھری " میں نے مری ہوئی آواز میں کہا یہ " تمہاری عربی میری جان لے گی یاد رکھو اگر میں مر گیا تو یہ خون تمہاری گردن پر ہوگا ؟

" شاطر کی بیوی "

" .... آپ بھی عجیب آدمی ہیں " خاں صاحب نے چیں بہ جبیں ہوکر کہا ؟ آپ شطرنج نہیں کھیل سکتے .... لکھہ لیجئے کہ آپ کی " گھر میں " آپ کا شطرنج کھیلنا موقوف کرادیں گی .... آپ نہیں کھیل سکتے "

"یہ آخر کیوں ؟"

"خاں صاحب بولے" لکھہ لیجئے .... بندہ خاں کی بات یاد رکھئے گا لکھہ لیجئے"

"آخر کیوں لکھہ لوں ؟ کوئی وجہ ؟"

"وجہ یہ" خاں صاحب نے اپنے داھنے ھاتھہ کی مٹھی زور سے بائیں ھاتھہ کی ھتھیلی پر مار کر کہا" وجہ یہ کہ معاف کیجئے گا - آپ زن مرید ھیں .... زن مرید ادھر وہ جائیں گی اور ادھر آپ .... " (انگلی گھما کر نقل بتاتے ھوئے خاں صاحب نے کہا) ھائے جورو ! ھائے جورو ! ...... ایسے کہیں شطرنج کھیلی جاتی ھے ! لاحول ولاقوۃ "

میں نے طے کر لیا کہ خانم سے اس باب میں قطعی سخت لڑائی ھوگی ' میں نہیں دبوں گا - یہ میرا شوق ھے ' انھیں ماننا پڑے گا -

---

" تین چار روز تک خانم سے سخت ترین جنگ رھی یعنی خاموش جنگ اُدھر وہ چُپ ادھر میں چُپ - خانم کی مددگار استانی جی اور میرے مددگار خاں صاحب ' پانچویں دن یہ شطرنج دوبھر معلوم ھونے لگی - میری سپاہ کمزوری دکھا رھی تھی - جی تھا کہ اُلٹا آتا تھا خاموش جنگ سے خدا محفوظ رکھے ' ایسا معلوم ھوتا تھا کہ جیسے گیس کی لڑائی ھو رھی ھے ' غنیم کا گیس دم گھوٹے دیتا تھا - خاں صاحب طرح طرح کے حملے تجویز کرتے تھے مگر جناب اس گیس کی لڑائی میں کوئی تدبیر نہ چلتی تھی خاں صاحب ماھر فنون جنگ تھے مگر جرمن گیس کا جواب توپ اور بندوق نہیں دیسکتی - یہ انھیں معلوم نہ تھا وجہ یہ ھے کہ

وہ پرانے زمانہ کی لڑائیاں لڑے ہوئے بیچارے کیا جانیں کہ خاموشی کا گیس کیا بلا ہوتی ہے - میری کمزوری پر دانت پیستے تھے کہتے تھے ' " نہ ہوا میں .... دکھا دیتا ! "

" خاں صاحب اول تو خود جنگی آدمی اور پھر جنرل بھی اچھے - مگر جناب جب سپاہی ہمت ہار جائے تو جنرل کیا کرے - چھہ دن گذر گئے اور اب میں جنگ مغلوبہ لڑ رہا تھا -

بہت کوشش کی بہت ہمت کی مگر ہار ہی گیا - شرائط صلح بھی بہت خراب تھیں - شاید معاہدۂ ورسلیز جس طرح ترکوں کے لئے ناقابل پذیرائی تھا اسی طرح میرے لئے بھی مگر بقول کسے بزور شمشیر و بندوک سنگین مجھکو مجبوراً صلحنامہ پر دستخط کرنا پڑے اور صلحنامہ کی سخت شرائط ذرا ملاحظہ ہوں -

(۱) خاں صاحب سے تمام تعلقات دوستی منقطع کر دونگا وہ گھر پر آئینگے تو کہلوا دونگا کہ نہیں ہوں - ویسے حصہ وغیرہ ان کے ہاں جائیگا اور آئے گا '

(۲) شطرنج کھیلنا بالکل بند - اب کبھی شطرنج نہیں کھیلونگا - خصوصاً رات کو تو کھیلونگا ہی نہیں -

(۳) شطرنج کے علاوہ تاش بھی نہیں کھیلونگا سوائے اتوار کے - رات کو وہ بھی نہیں -

(۴) رات کو دیر کر کے آنا شطرنج کھیلنے رہ جانے کے برابر متصور ہوگا کوئی ثبوت لئے بغیر تصور کر لیا جائیگا کہ شطرنج کھیلی گئی کوئی عذر تسلیم نہ کیا جائے گا -

پانچویں اور چھٹی شرط میں خود بیان کرنا پسند نہیں کرتا - ساتویں شرط یہ تھی کہ اگر اس معاہدہ کی پابندی نہ کی گئی تو "تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش"

خاں صاحب سے میں نے اپنی شکست اور شرائط صلح کا ذکر صاف صاف تو نہیں کیا مگر اتنا ضرور تسلیم کیا کہ مہرے برابر استانی جی کے لڑکے سے چروائے جاتے رہے - پھر صلح کا ذکر کیا - خاں صاحب تجربہ‌کار آدمی تھے - دانت نکالکر انہوں نے ران پر هاتھہ مار کر پہلے دنیا بھر کی لڑاکا بیویوں کو گالیاں دیں اور پھر کہا "میاں لمڈے ہو ، مجھہ سے باتیں بنانے آئے ہو ، بیوی کی جوتیاں کھا رہے ہو - .... شطرنج کھیلیں گے ... . یہ شطرنج ہے ! هونہہ .... سر پکڑ کر روؤگے .... گھر والی کو اتنا سر پر نہیں چڑھاتے .... تو جانو تمہارا کام .... جب کبھی ملاقات ہوئی علیک سلیک کر لی بس لکھہ لو .... "

خاں صاحب کی گفتگو سے کچھہ پھریری سی آئی - گھر میں آیا تو خانم کو پھول کی طرح کھلا ہوا پایا ، لاحول ولاقوۃ !

" پطرس " (اے اس بخاری) -

پطرس اور " پطرس کے مضامین " دونوں کا تعارف کتاب کے دیباچہ سے ہو جاتا ہے -

" اگر یہ کتاب آپ کو کسی نے مفت بھیجی ہے تو مجھپر احسان کیا ہے ، اگر آپ نے کہیں سے چرایا ہے تو میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں ، اپنے پیسوں سے خریدی ہے تو مجھے آپ سے ہمدردی ہے اب بہتر یہی ہے کہ آپ اس کتاب کو اچھا سمجھکر اپنی حماقت کو حق بجانب ثابت کریں -

ان مضامین کے افراد سب خیالی ہیں حتیٰ کہ جن کے لئے وقتاً فوقتاً واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے - وہ بھی ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہے آپ تو اس نکتے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں لیکن کئی پڑھنے والے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی - ان کی غلط فہمی اگر دور ہو جائے تو کیا ہرج ہے -

جو صاحب اس کتاب کو کسی غیر ملکی زبان میں ترجمہ کرنا چاہیں وہ پہلے اُس ملک کے لوگوں سے اجازت حاصل کریں ""

یہ دیباچہ نہیں غزل ہے اور جو شخص ایسی غزل لکھ سکتا ہے اس کے سارے قصور معاف کئے جا سکتے ہیں خواہ وہ غلط اُردو ہی لکھتا کیوں نہ ہو!

پطرس بالعموم غلط اُردو نہیں لکھتے خاص خاص مقامات پر اُن کو متشابہ ضرور لگتا ہے جہاں کے اُردو کو مقامی رنگ دے جاتے ہیں - اُن کی اُردو اکتسابی ضرور ہے لیکن ظرافت قطعاً وہبی ہے - پنجاب میں اچھی اور صحیح اُردو لکھنے والے سر عبدالقادر سر اقبال اور ظفر علی خاں ہیں پطرس اچھی اُردو اب بھی لکھ لیتے ہیں اور یقین ہے کہ سر بننے یا جیلخانہ جانے سے پہلے وہ صحیح اُردو بھی لکھنے لگیں گے !

پطرس کی ظرافت کا آرٹ الفاظ میں نہیں واقعات میں ہوتا ہے - اُن کی تحریر فضا پیدا کرتی ہے نہ کہ نغمہ ' پھر یہ بھی ہے -

نغمہ اندر تست اندر نغمۂ داؤد نے

پطرس کی ظرافت "اکتسابات" میں پھلی پھولی معلوم ہوتی ہے لیکن اُردو کی فضا میں پہونچکر رنگینی اور رعنائی کے اعتبار سے دو آتشہ ہو گئی ہے !

پطرس اگر برابر لکھتے رہے اور مرزا عظیم بیگ چغتائی اور فرحت اللہ بیگ نے لکھنا کم کر دیا تو یقین ہے کہ اردو ادب میں ظرافت کا عنصر بغایت وقیع ' بغایت دلکش اور بغایت مہتمم بالشان ہو جائے گا اور شاید ایسا کہ ایشیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہ ملسکے !

بایں‌ہمہ جہاں تک طنز یا ظرافت کا تعلق ہے " مضامین پطرس " ارض پنجاب میں دیوان غالب کی نہیں تو " مرقع چغتائی " کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں ا

بعض نمونے حسب ذیل ہیں '

کتے :---

" .... کل ہی کی بات ہے کہ رات کے کوئی گیارہ بجے ایک کتے کی طبیعت جو ذرا گد گدائی تو انہوں نے باہر سڑک پر طرح کا ایک مصرعہ دے دیا ایک آدہ منٹ کے بعد سامنے کے بنگلے میں سے ایک کتے نے مطلع عرض کر دیا - پھر تو جناب ایک کہنہ مشق استاد کو جو غصہ آیا ' ایک حلوائی کے چولہے میں سے باہر لپکے اور بھنا کے پوری غزل مقطع تک کہہ‌گئے - اس پر شمال مشرق کی طرف سے ایک قدر شناس کتے نےزوروں کی داد دی ہے - اب تو حضرت وہ مشاعرہ گرم ہوا کہ کچھ‌نہ پوچھئے ' کمبخت بعض تو دو غزلے سہ غزلے لکھ لائے تھے - کئی ایک نے فی البدیہہ قصیدے کے قصیدے پڑہ ڈالے وہ ہنگامہ گرم ہو کہ ٹھنڈا ہونے میں نہ آتا تھا - ہم نے کھڑکی میں سے ہزاروں دفعہ " آرڈر آرڈر " پکارا لیکن ایسے موقعہ پر وہاں کسی کی کوئی نہیں سنتا .... "

.... چونکہ ہم طبعاً ذرا محتاط ہیں اس لئے آج تک کتے کے کاٹنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا - یعنی کسی کتے نے آج تک ہم کو کبھی نہیں کاٹا - اگر ایسا سانحہ کبھی پیش آیا ہوتا تو اس سرگذشت کی بجائے آج ہمارا مرثیہ چھپ رہا ہوتا تاریخی مصرعہ دعائیہ ہوتا کہ اس کتے کی مٹی سے بھی کتا گھاس پیدا ہو ،، لیکن ؛

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے سگِ رہ بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جب تک اس دنیا میں کتے موجود ہیں اور بھونکنے پر مصر ہیں سمجھ لیجئے ہم قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں اور پھر ان کتوں کے بھونکنے کے اصول بھی تو کچھ نرالے ہیں یعنی ایک تو متعدی مرض ہے اور پھر بچوں بوڑھوں سبھی کو لاحق ہے - اگر کوئی بھاری بھرکم اسفند یار کتا کبھی کبھی اپنے رعب اور دبدبے کو قائم رکھنے کے لئے بھونک لے تو ہم بھی ؟ چار وناچار کہدیں کہ بھئی بھونک (اگرچہ ایسے وقت میں اسکو زنجیر سے بندھا ہونا چاہئے) لیکن یہ کمبخت دو روزہ سہ روزہ دو دو تین تین تولے کے پلّے بھی تو بھونکنے سے باز نہیں آتے - باریک آواز اتنا سا پھیپھڑا اس پر بھی اتنا زور لگا کر بھونکتے ہیں کہ آواز کی لرزش دم تک پہنچتی ہے .... کتوں کے بھونکنے پر مجھے سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ کہ ان کی آواز سوچنے کے تمام قویٰ کو معطل کر دیتی ہے ' خصوصاً جب کسی دکان کے تختے کے نیچے سے ان کا ایک پورا خفیہ جلسہ باہر سڑک پر آ کر تبلیغ کا کام شروع کر دے تو آپ ہی کہئے ہوش ٹھکانے رہ سکتے ہیں ؟ - ہر ایک کی

طرف باری باری متوجه ہونا پڑتا ہے۔ کچھ ان کا شور کچھ ہماری صدائے احتجاج (زیر لب) بےڈھنگے حرکات و سکنات (حرکات ان کی سکنات ہمارے) اس ہنگامے میں دماغ بھلا خاک کام کر سکتا ہے؟ .... بہر صورت کتوں کی یہ پرلے درجے کی نا انصافی میرے نزدیک ہمیشہ قابل نفریں رہی ہے - اگر ان کا ایک نمائندہ شرافت کے ساتھہ ہم سے کہدے کہ عالی جناب سڑک بند ہے تو خدا کی قسم ہم بغیر چوں و چرا کئے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہم نے کتوں کی درخواست پر کئی راتیں سڑک ناپنے میں گذاردی ہیں - لیکن پوری مجلس کا یوں متفقہ و متحدہ طور پر سینہ زوری کرنا ایک کمینہ حرکت ہے (قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر ان کا کوئی عزیز و محترم کتا کمرے میں موجود ہو تو یہ مضمون بلند آواز سے نہ پڑھا جائے - مجھے کسی کی دلشکنی مطلوب نہیں) ''

'' خدا نے ہر قوم میں نیک افراد بھی پیدا کئے ہیں - کتے اس کلیہ سے مستثنے نہیں - آپ نے خدا ترس کتا بھی ضرور دیکھا ہو گا عموماً اس کے جسم پر تپسیا کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں - جب چلتا ہے تو اس مسکینی اور عجز سے گویا بارگناہ کا احساس آنکھہ اُٹھانے نہیں دیتا - دُم پیٹ کے ساتھہ لگی ہوتی ہے - سڑک کے بیچوں بیچ غور و فکر کے لئے لیٹ جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے ' شکل بالکل فلاسفروں کی سی اور شجرہ دیو جانس کلبی سے ملتا ہے - کسی گاڑی والے نے متواتر بگل بجایا - گاڑی کے مختلف حصوں کو کھٹکھٹایا - لوگوں سے کہلوایا - خود دس بارہ دفعہ آوازیں

دیں تو آپ نے سر کو وهیں زمین پر رکھے سرخ مخمور آنکھوں کو کھولا ' صورت حالات کو ایک نظر دیکھا اور پھر آنکھیں بند کرلیں - کسی نے ایک چابک لگا دیا تو آپ نہایت اطمینان کے ساتھہ وهاں سے اُتھہ کر ایک گز پرے جالیتے اور خیالات کے سلسلے کو جہاں سے وہ توت گیا تھا وهیں سے پھر شروع کر دیا :—
کسی بائیسکل والے نے گھنتی بجائی تو لیتے هی لیتے سمجھہ گئے کہ بائیسکل هے ایسی چھچھوری چیزوں کے لئے وہ رستہ چھوڑدینا فقیری کی شان کے خلاف سمجھتے هیں -

رات کے وقت یہی کتا اپنی خشک پتلی سی دم کو تابحد امکان سڑک پر پھیلا کر رکھتا هے اس سے محض خدا کے برگزیدہ بندوں کی آزمائش مقصود هوتی هے - جہاں آپنے غلطی سے اس پر پاؤں رکھہ دیا - انہوں نے غیظ و غضب کے لہجہ میں آپ سے پرسش شروع کر دی " بچا فقیروں کو چھیڑتا هے ' نظر نہیں آتا ' هم سادهو لوگ یہاں بیٹھے هیں " بس اس فقیر کی بدعا سے اسی وقت رعشہ شروع هو جاتا هے ' بعد میں کئی راتوں تک یہی خواب نظر آتے رهتے هیں کہ بےشمار کتے تانگوں سے لپتے هوتے هیں اور جانے نہیں دیتے آنکھہ کھلتی هے تو پاؤں چارپائی کی ادوائن میں پھنسے هوتے هیں -

اگر خدا مجھے کچھہ عرصہ کے لئے اعلیٰ قسم کے بھونکنے اور کاتنے کی طاقت عطا فرمائے تو جنون انتقام میرے پاس کافی مقدار میں هے - رفتہ رفتہ سب کتے علاج کے لئے کسولی پہنچ جائیں .... انگریزی میں ایک مثل هے کہ " بھونکتے هوئے کتے کاتا نہیں کرتے " یہ بجا هی لیکن کون جانتا هے کہ ایک بھونکتا هوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاتنا شروع کردے - "

"........... قصہ میرے بھتیجے سے شروع ہوتا ہے - میرا بھتیجا یوں دیکھنے میں عام بھتیجوں سے مختلف نہیں - میری تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ نئی پود ہونے کے وجہ سے بعض فالتو اوصاف بھی کبھی کبھی نظر آتے ہیں - لیکن ایک صفت تو اس میں ایسی ہے کہ آج تک ہمارے خاندان میں اس شدت کے ساتھہ کبھی رونما نہیں ہوئی تھی - وہ یہ کہ بڑوں کی عزت کرتا ہے - اور میں تو اس کے نزدیک بس علم و فن کا ایک دیوتا ہوں - یہ خبط اس کے دماغ میں کیوں سمایا ہے - اس کی وجہ میں یہی بتا سکتا ہوں کہ نہایت اعلی سے اعلی خانوانوں میں بھی کبھی کبھی ایسا دیکھنے میں آ جاتا ہے - میں نے شائستہ سے شائستہ دودمانوں کے فرزندوں کو بعض وقت بزرگوں کا اس قدر احترام کرتے دیکھا ہے کہ ان پر فیچ ذات ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے "

"....... آخرکار بائسکل پر سوار ہوا - پہلا ہی پاؤں چلایا تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مردہ اپنی ہڈیاں چٹخا چٹخا کر اپنی مرضی کے خلاف زندہ ہو رہا ہے - گھر سے نکلتے ہی کچھہ تھوڑی سی اترائی تھی - اس پر بائسکل خود بخود چلنے لگی لیکن اس رفتار سے جیسے تارکول زمین پر بہتی ہے - اور ساتھہ ہی مختلف حصوں سے طرح طرح کی آوازیں برآمد ہونی شروع ہوئیں - ان آوازوں کے مختلف گروہ تھے - چیں - چاں چوں کی قسم کی آوازیں زیادہ تر گدی کے نیچے اور پچھلے پہئے سے نکلتی تھیں - کھٹ ' کھڑ ' کھڑ کھڑ کی قبیل کی آواز مڈگارڈوں سے آتی تھیں - چر - چرخ ' چر - چرخ کی قسم کی سریں -

زنجیر اور پیڈل سے نکلتی تھیں - زنجیر ڈھیلی ڈھیلی تھی - میں جب کبھی پیڈل پر زور ڈالتا تھا زنجیر میں ایک انگڑائی سی پیدا ہوتی تھی - جس سے وہ تیز جاتی تھی اور چڑ چڑ بولنے لگتی تھی اور پھر ڈھیلی ہو جاتی تھی - پچھلا پہیہ گھومنے کے علاوہ جھومتا بھی تھا یعنی ایک تو آگے چلتا تھا اور اس کے علاوہ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کو بھی حرکت کرتا تھا چنانچہ سڑک پر جو نشان پڑتا جاتا تھا اس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی مخمور سانپ لہرا کر نکل گیا ہے - مڈگارڈ تھے تو سہی لیکن پہیوں کے عین اوپر نہ تھے - ان کا فائدہ صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسان شمال کی سمت سیر کو نکلے اور آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا ہو تو مڈگارڈوں کی بدولت ٹائر دھوپ سے بچے رہیں گے -

اگلے پہیے کے ٹائر میں ایک بڑا سا پیوند لگا تھا جس کی وجہ سے پہیہ ہر چکر میں ایک دفعہ لمحہ بھر کو زور سے اوپر اٹھ جاتا تھا اور میرا سر پیچھے کو یوں جھٹکے کھا رہا تھا جیسے کوئی متواتر ٹھوڑی کے نیچے مکے مارے جا رہا ہو - پچھلے اور اگلے پہئے کو ملا کر چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ ' .... کی صدا نکل رہی تھی - جب اترائی پر بائیسکل ذرا تیز ہوئی تو فضا میں ایک بھونچال سا آگیا اور بائیسکل کے کئی اور پرزے جو اب تک سوئے ہوئے تھے بیدار ہو کر گویا ہوئے -

اِدھر اُدھر کے لوگ چونکے - ماؤں نے اپنے بچوں کو سینے سے لگا لیا - کھڑر کھڑر کے بیچ میں پہیوں کی آواز جدا سنائی دے رہی تھی - لیکن چونکہ بائیسکل اب پہلے سے تیز تھی

اس لئے چوں پھٹ ' چوں چوں پھٹ کي آواز نے اب چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ ' چچوں پھٹ کی صورت اختیار کر لي تھي - تمام بائیسکل کسي ادق افریقي زبان کي گردانیں دھرا رہی تھي ''

اس قدر تیز رفتاری بائیسکل کي طبع نازک پر گراں گذري - چنانچہ اس میں یک لخت دو تبدیلیاں واقع ہو گئیں ایک تو ہینڈل ایک طرف کو مڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں جا تو سامنے کو رہا تھا لیکن میرا تمام جسم دائیں طرف کو مڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ بائیسکل کي گدي دفعتاً چھہ انچ کے قریب نیچے بیٹھہ گئي - چنانچہ جب پیڈل کے چلانے کے لئے میں ٹانگیں اوپر نیچے کر رہا تھا تو میرے گھٹنے میري ٹھوڑھي تک پہنچ پہنچ جاتے تھے - کمر دوھري ہو کر باھر کو نکلي ہوئی تھي اور ساتھہ ھی اگلے پہیے کي اٹکھیلیوں کي وجہہ سے سر برابر جھٹکے کھا رہا تھا .... جیب میں سے میں نے اوزار نکالا ' گدي کو اونچا کیا ' کچھہ ہینڈل کو ٹھیک کیا اور دوبارہ سوار ھو گیا '' -

'' دس قدم بھي چلنے نہ پایا تھا کہ ابکي بار ہینڈل یک لخت نیچا ھو گیا اتنا کہ گدي اب ہینڈل سے کئي فٹ پھر اونچی تھی میرا تمام جسم آگے کو جھکا ھوا تھا - تمام بوجھہ دونوں ھاتھوں پر تھا جو ہینڈل پر رکھے تھے اور جو برابر جھٹکے کھا رہے تھے .... میں دور سے ایسا معلوم ھو رھا تھا جیسے کوئي عورت آٹا گوندھہ رھي ھو - مجھے اس مشابہت کا احساس بہت تیز تھا - جس کی وجہہ سے میرے ماتھے پر پسینہ پھوٹ آیا .... ہینڈل تو نیچا ھو ھی گیا تھا -

تھوڑی دیر کے بعد گدی بھی پھر نیچی ہو گئی اور میں همه تن زمین کے قریب پہنچ گیا - ایک لڑکے نے کہا دیکھو یہ آدمی کیا کر رہا ہے ' گویا اس بد تمیز کے نزدیک میں کوئی کرتب دکھا رہا تھا - میں نے اتر کر پھر ہینڈل اور گدی کو اونچا کیا .... " -

" .... مشکل سے بیس قدم گیا ہونگا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین یک لخت اُچھل کر مجھے آ لگی ہے - آسمان میرے سر سے ہٹ کر میری ٹانگوں کی بیچ میں سے گذر گیا ہے اور اِدھر اُدھر کی عمارتوں نے ایک دوسرے کے ساتھہ اپنی اپنی جگہہ بدل لی ہے - حواس بجا ہوئے تو معلوم ہوا کہ میں زمین پر اِس بے تکلفی سے بیٹھا ہوں گویا بڑی مدت سے مجھے اس بات کا شوق تھا جو آج پورا ہوا .... میں نے اپنے گردوپیش پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ میری بائیسکل کا اگلا پہیہ بالکل الگ ہوکر لڑھکتا ہوا سڑک کے اُس پار جاپہنچا ہے اور بائیسکل کا باقی میرے پاس پڑا ہے ' میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا جو پہیہ الگ ہوگیا تھا اس کو ایک ہاتھہ میں اُٹھایا دوسرے ہاتھہ میں باقی ماندہ بائیسکل کو تھاما اور چل کھڑا ہوا - یہ محض ایک اضطراری حرکت تھی ورنہ حاشا وکلا بائیسکل مجھے ہرگز اتنی عزیز نہ تھی کہ میں اس کو اس حالت میں ساتھہ ساتھہ لئے پھرتا "

" جب میں یہ سب کچھہ اٹھاکر چل دیا تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو - کہاں جارہے ہو ' تمہارا ارادہ کیا ہے - یہ دو پہیئے کا ہے کو ساتھہ لیے جا رہے ہو ؟؟

" سب سوالوں کا جواب یہی ملا کہ دیکھا جائے گا فی الحال

تم یہاں سے چل دو - سب لوگ تمہیں دیکھہ رہے ہیں - سر اونچا رکھو اور چلتے جاؤ جو ہنس رہے ہیں اُنہیں ہنسنے دو ' اس قسم کے بیہودہ لوگ ہر قوم اور ہر ملک میں پائے جاتے ہیں - آخر ہوا کیا - محض ایک حادثہ - بس دائیں بائیں مت دیکھو چلتے جاؤ - لوگوں کے ناشائستہ کلمات بھی سنائي دے رہے تھے - ایک آواز آئی " بس حضرت غصہ تھوک ڈالئے - ایک دوسرے صاحب بولے " بیٹھیا بائیسکل - گھر پہنچ کے تجھے مزا چکھاؤں گا - ایک والد اپنے لخت جگر کو انگلی پکڑے لئے جارہے تھے میري طرف اشارہ کر کے کہنے لگے " دیکھا بیٹا یہ سرکس کي بائیسکل ہے - اس کے دونوں پہیئے الگ الگ ہوتے ہیں .... "

مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب بي اے (علیگ) یوں تو حال ہي میں اس حمام (ظرافت) میں برہنہ ہوئے ہیں لیکن تیور اور دم خم دیکھکر علی گڑہ والوں کی زبان اور مفہوم میں ان پر " بڑا پرانا " ہونے کا فقرہ پورے طور پر چسپاں ہوتا ہے اور پرانا بھی ایسا کہ ' نا ' کا تلفظ اس طور پر کیجئے یا کرتے جائیے کہ آپ کا سانس اس وقت ٹوٹے جب زندگي خطرہ میں پڑنے لگے !

جہاں تک راقم‌السطور کی یادرفاقت کرتي ہے مرزا صاحب کا پہلا مضمون " اُردو " میں " دھلي کا ایک مشاعرہ " کے عنوان سے شائع ہوا تھا - پہلے مضمون سے ایسا مضمون مراد ہے جس کو خالصتاً ظریفانہ نہیں تو اس کا مقدمہ ضرور کہہ سکتے ہیں - اس کے بعد پھول والوں کي سیر ' اور مولانا نزیر احمد ' مرحوم کي سیرت اور دیگر مضامین شائع ہوئے - بہر حال یہ تو مرزا صاحب

کي ’’ عمر ظرافت ‘‘ یا ’’ ظریفانہ عمر ‘‘ کي ’’ کھٹھونی ‘
هوئی جس سے ناظرین کو تو کیا فاعتبرو یا اولي‌الابصار ‘‘ کو زیادہ
فائدہ حاصل هوگا -

هاں تو کہنا یہ تھا کہ مرزا صاحب حال هي میں اس حمام
میں برهنہ هوئے هیں لیکن اس میں شک نہیں وہ ’’ باتھ‌روم ‘‘
میں نہیں بلکہ ’’ حمام ‘‘ هي میں برهنہ هوئے هیں اور حمام کي
برهنگی کا مشرقي مفہوم تہبند هے جس کو مرزا صاحب نے ترک
نہیں کیا هے اور خوب کیا هے - باتھ روم کے غسل اور وهاں کي
برهنگي آرٹ و حفظان صحت کے اُصول پر ممکن هے صحیح هو لیکن
مشرق اور مشرقیت ابھی اس سے هم آهنگ نہیں هو سکي هے
اور شاید یہ هو بھی نہیں سکتی - مرزا صاحب کا تہبند بھي وهي
دادا جان کي ’’ گاڑھے کي تہمد ‘‘ هے جس میں ستر ظرافت
چھپي هوتي هے ‘ - ان کي نہیں اُن کے آرٹ کي !

فرحت اللہ بیگ صاحب کو عہد مغلیہ کے آخری دور کي
معاشرت اور تمدن کا صحیح اور دلکش ترین مرقع کھینچنے پر
بڑي قدرت حاصل هے - ایسی قدرت جو بعض ناگزیر کوتاهیوں
کے ساتھہ آپ کو مولانا راشدالخیري اور حکیم ناصر نذیر فراق کي
تحریروں میں بھي نظر آ سکتي هے اور اس کا سب سے بڑا سبب
یہ هے انھوں نے دلي هي میں آنکھہ کھولي اور دلي والوں کي
آنکھیں بھي دیکھیں - اس لئے وہ یا آغا حیدر حسن صاحب
(بقول علي گڑہ والوں کے ’’ ددا سربھا ‘‘) دلي کے سلسلہ
میں جو کچھہ کہہ سن جائیں گے وہ باهر والوں یا والیوں
کو کہاں نصیب - فرحت صاحب کي ظرافت میں انتہائي سادگي
کے ساتھہ زبان اور بیان کا چٹخارہ بھی [illegible] هے لیکن اس کے

ساتھہ ساتھہ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات وہ دانستہ یا نا دانستہ طور پر محاورہ یا زبان یا ضرب‌الامثال کی بے محل نمائش بھی کر جاتے ہیں اور مضمون کا اتنا حصہ قدرتاً مصنوعی معلوم ہونے لگتا ہے - چغتائی اور فرحت صاحبان کے انداز تحریر کا امتیاز خصوصی یہی ہے کہ چغتائی الفاظ ' محاورہ ' زبان یا ضرب‌الامثال کی کبھی نمائش نہیں کرتے لیکن فرحت صاحب کو چغتائی پر اس اعتبار سے تفوق حاصل ہے کہ فرحت صاحب کے ظرافت بعض اہم اور سنجیدہ مقاصد کی ترجمان بھی ہوتی ہے - چغتائی صاحب کی مانند فرحت صاحب کو بھی جزئیات خوب سوجھتی ہیں اور یہی چیز صحیفہ ظرافت میں " جان سخن " بھی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ فرحت کی سوجھہ میں بوجھہ کو بھی دخل ہوتا ہے اور چغتائی کو صرف سوجھتی ہے - لیکن خوب سوجھتی ہے ا

فرحت صاحب کے مضامین کے مطالعہ کے بعد ہم بے اختیار کہہ پڑتے ہیں '

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی !
چغتائی صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھی !

مرزا فرحت‌الله بیگ صاحب کے تحریر کا نمونہ درج ذیل ہے -

" عشق کی گولیاں "

" ناصر کو میں کیا اسکے سارے دوست بے‌وقوف سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے جس بھلے آدمی کا سر کھوپڑے کی بتیا ہو اس میں عقل ہی کہاں سے آنے لگی اور آئے گی بھی تو کتنی

آئے گی - بیچارہ چار دفعہ انٹرنس کے امتحان میں بیٹھا اور سب مضمونوں میں فیل ہوا - اللہ نے ماں باپ کو روپیہ دیا تھا - جھٹ اُٹھا ولایت بھیجدیا - ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ولایت کی آب و ہوا ہی کچھ نئي ہے یا وہاں والے طالب علموں کو کتابیں گھول کر پلا دیتے ہیں کہ یہاں سے اَن پڑھ جاؤ اور تین چار ہي برس میں بی اے - ایم اے - ال ال ڈي ہوکر آجاؤ - یہاں ناصر کے ساتھ بھي یہي ہوا یا تو کسي طرح انٹرنس پاس ہي نہ ہوتے تھے یا ولایت جاتے ہی زنازن امتحانوں میں پاس ہونے لگے اور تین ہي برس میں بي اے ہوکر ڈاکٹري کی جماعت میں شریک ہوگئے - بڑي نوابي سے وہاں پانچ برس گذرے امتحان میں بیٹھے پاس ہوئے اور سند مل گئي کہ آج سے اس شخص کو اختیار ہے جس کو چاہے زہر دیکر مار ڈالے جس پر چاہے چُھری چلا دے جس کو چاہے عدم‌آباد پہنچا دے ' کسي قانون کے رو سے اس کے مقابلہ میں ضرر شدید ' زہر خوراني یا قتل عمد کا مقدمہ قائم نہ ہو سکے گا - خیر پڑھائي سے فارغ ہوکر گھر آئے اور بہت دھوم دھام سے آئے - ماں باپ کے دل باغ باغ ہوئے ' قبرستان والوں کے ہاں عید ہوئی مریضوں اور بیماروں کي موت آئي - میاں ناصر نے اپنی دوکان پھیلائی اور ملک‌الموت نے اُن کے نام سے اپنے دفتر میں ایک نیا کھاتہ کھول دیا .... ''

'' آزاد نگارستان[۱] اور دادا جان ''

'' مل گئي - آخر نگارستان کو آزادی مل ہی گئی - اور

۱ - نگارستان سے مراد چین نہیں ہے بلکہ وہ ملک ہے جہاں نگرز Niggers (کالي چمڑی والے) رہتے ہیں -

کیوں نہ ملتی - اس ایک آزادی کے لئے یہاں والوں نے کیا کیا جتن نہیں کئے - کھیتوں کی کاشتکاری چھوڑی ' نہروں سے پانی لینا چھوڑ دیا ' ولائتی کپڑے کا خریدنا چھوڑ دیا ' تجارت میں حصہ لینا چھوڑ دیا - بنکوں سے حساب کتاب چھوڑ دیا - دوکانوں پر چوکسی کی - شہروں پر ڈاکے ڈالے - ریلوں کے پل اُڑائے - اپنے اور غیروں پر طپنچے چلائے ' فوجوں کی گولیاں کھائیں ' پولیس کے ظلم سہے ' جیل خانوں میں چھاؤنی چھائی ' پھانسیوں پر جان گنوائی - آخر آزادی آئی اور بڑے زور سے آئی - حکومت ملی اور پوری حکومت ملی - خیر ایک جھگڑا گیا مگر دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ حکومت کریں تو کیوں کر کریں ' اور حکومت کرے تو کون کرے " دادا جان قصبہ امن آباد کی طرف سے پارلیمان کے ممبر منتخب ہوئے ' چنانچہ اب شریک جلسہ ہونے کے لیئے روانہ ہورہے ہیں -

" .... دادا جان نے جھٹ پٹ روانگی کا سامان درست کرنا شروع کر دیا ' کہیں سے ڈھونڈھ ڈھانڈ کر کسی وقت وقتاں کا ٹاٹ کا بیگ نکالا - موچی کو بلوا کر جہاں جہاں سے چوہوں نے کاٹا تھا اس کو سلوایا گیا - دو جوڑے کپڑے لنگی میں لپیٹ کر اس میں رکھے گئے ناریل کا حقہ چلم تمباکو کوئلے اور دیاسلائی کی ڈبیہ اور خدا جانے کیا کیا الا بلا اس میں ٹھونسی گئی - پرانی دری دھلوائی گئی - صاف چادر اور دو موٹے موٹے تکیے اس میں لپیٹ اور اوپر چھتری اور لٹھہ رکھہ ' سب کو بان سے کسا گیا - تین کے لوٹے میں رسی باندھ کر اس کو بستر ے میں لٹکایا گیا - داڑھی اور بالوں میں لوگوں کے بہت کہنے سننے سے خضاب لگایا - چونکہ بیچارے بالوں نے اس سے

پہلے یہ مصیبت کبھی نہیں اُٹھائی تھی اس لیے ہر بال نے اپنی طبیعت کے موافق نیا رنگ اختیار کیا داڑھی سیاھی سے شروع ہوئی - آگے چل کر طاؤسی رنگ کی ہوئی - پھر اور آگے اودی ہوئی اور آخر ہلکے گلابی رنگ پر ختم ہوئی - سر کے بال ذرا اچھے رہے کیونکہ سب کے سب مل ملا کر کشمشی رنگ کی ٹوپی بن گئے -

چلنے کے دن صبح ہی سے دادا جان کا بناؤ شروع ہوا - موٹے گاڑھے کا کوئی تین گز کا منڈا سا باندھا - بدن پر گاڑھے کی مرزئی پہنی - گاڑھے کی تہمد پہنی - پاؤں میں ادھوری استر کا نعل دار جوتا پہنا - روپیوں کی ھمیانی کمر میں لپیٹی اور پارلیمان کے پورے ممبر ہو گئے - منجھولی میں بیٹھ کر گھر سے نکلے ...... اسی حیص بیص میں اسٹیشن آگیا - گاڑی کے آنے میں دیر تھی - دادا جان کو گھبراھٹ ہو رہی تھی ' کبھی ریل کو برا بھلا کہتے کبھی ریل والوں کو - کبھی کہتے بھئی ہم سے یہ ریل ویل چلانی ذرا مشکل ہے - تم ہی دیکھو نا کہ پہلے کیا ٹھیک وقت پر آتی تھی اور آج آنے کا نام ہی نہیں لیتی ' میں نے کہا دادا جان اب ریل کے وقت بدل گئے ہیں کہنے لگے یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ ہم لوگوں سے یہ کام سنبھلتا نظر نہیں آتا - بھلا تم ہی بتاؤ کہ پہلے وقت میں کیا برائی تھی جو بیٹھے بٹھائے اس کو بدل دیا - نہیں بھئی یہ کام کچھ وہی لوگ اچھا چلاتے تھے - میں تو کمیٹی میں جاتے ہی کہوں گا کہ اس ریل کو پرانی سرکار کے ہاتھ بیچ ڈالو - اُن کی دیکھی بھالی چیز ہے وہی اُس کے کل پرزوں کو خوب سمجھتے ہیں - ہم نئے آدمیوں سے یہ کام نہ

سنبھلا ھے نہ سنبھلے گا - میں نے ھزار طرح سمجھایا کہ پہلے بھی ریلوں کے وقت بدلا کرتے تھے مگر وہ کسی طرح نہ سمجھے اور یہی کہتے رھے کہ ریل کو تو میں بکوا کر رھوں گا - خیر خدا خدا کر کے ریل آ ھی گئی - میں دادا جان کو اول درجہ کے پاس لیکر گیا ' اُنھوں نے اندر جھانکا اور جھٹ باھر نکل آئے میں نے کہا اندر جائیے کہنے لگے یہ ھمارا درجہ نہیں ھے افسروں کا ھے ھم کو وھیں تیسرے درجہ میں لے چلو بڑی مشکل سے میں نے اُن کو اندر کیا وھاں پارلیمان کے دو اور ممبر بیٹھے تھے - اُنھوں نے جو اُن کی ھیئت کذائی دیکھی تو کہا Get out ! This is first class. (نکل جاؤ یہ اول درجہ ھے) - دادا جان انگریزی تو کیا خاک سمجھتے ھاں ان لوگوں کے چہرے اور الفاظ کے جھٹکے سے جان گئے کہ مجھے نکل جانے کو کہتے ھیں فوراً باھر آگئے پھر لاکھہ سر مارا کہ اندر جاکر بیٹھئے - ان لوگوں سے بھی کہا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ھیں لیکن دادا جان کسی طرح راضی نہ ھوئے اور ساتھہ ھی میرے پیچھے پڑ گئے کہ ساتھہ چل - آخر میں نے بھی تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا اور بیگ بیڈنگ و دو گرش ان کے ساتھہ ریل میں سوار ھو گیا -

تھرڈ کلاس میں بیٹھہ کر دادا جان کی طبیعت کھلی - پہلے اپنا تھیلا کھولا - ناریل نکالا ' کوئلے جلائے چلم بھری اور اپنے ھمجلسوں سے مزے مزے کی باتیں کرنے لگے - اناج کے بھاؤ پر بحث ھوئی - سرکاری مالگذاری کے قصے چھڑے - مقدمات کا ذکر ھوا - نئی گورنمنٹ کے متعلق رائے زنی ھوئی - پارلیمان کے لیئے تحریکات مرتب ھوئیں غرض رات کے گیارہ بجے تک یہی

جھک جھک بک بک ہوتی رہی - میں تو کھڑکی میں سر رکھہ کر سو گیا معلوم نہیں یہ قصے کب تک چلے اور کب ختم ہوئے - ہاں صبح جب میری آنکھہ کھلی تو دیکھا کہ دادا جان اسی طرح اپنے یار دوستوں میں بیٹھے چلم کے دم لگا رہے ہیں .... "

کوئی گیارہ بجے پارلیمان کے دروازہ پر جا پہنچے - دادا جان نے بسم‌اللہ کہہ سیڑھیاں چڑہ ' عمارت کے عالی شان پھاٹک میں قدم رکھا - دروازہ ہی پر افسر نے ٹکٹ مانگا - ان کے پاس دو ٹکٹ آئے تھے ایک سبز اور دوسرا سفید - معلوم ہوتا ہے سفید ٹکٹ گیلری کا تھا اور سبز ٹکٹ ممبری کا - سفید ٹکٹ شاید اس لئے آیا تھا کہ اگر کسی دوست کو لانا چاہو تو لا سکتے ہو - اُنھوں نے سفید ٹکٹ نکال کر افسر کے ہاتھہ میں دیا اس نے دو منزلہ کی جو سیڑھیاں تھیں ان کی طرف اشارہ کر دیا - یہ نعل دار جوتے سے کھٹ کھٹ کرتے سیڑھیوں پر چڑھے کوئی چار پانچ ہی سیڑھیاں چڑھے ہونگے کہ سپاہی نے ہونٹوں پر انگلیاں رکھہ کر خاموشی کا اشارہ کیا انھوں نے ذرا آہستہ آہستہ پاؤں رکھنے شروع کئے مگر اِس سے کیا ہوتا تھا سنگ مرمر کی سیڑھیاں تھیں اور نعلدار جوتا - لاکھہ دبا کر پاؤں رکھتے وہ کھٹ کھٹ کہاں جاتی تھی - تھوڑے ہی اوپر گئے ہونگے کہ دوسرے سپاہی نے وہی خاموشی کا اشارہ کیا اب ان کو سوائے اسکے کچھہ نہ سوجھی کہ جوتیاں اُتار بغل میں دبا لیں اور ننگے پاؤں اوپر چڑھیں چنانچہ اس طرح یہ مشکل آسان ہوئی - سیڑھی کی طرف جو دروازہ تھا اس پر ایک پہرہ‌دار کھڑا تھا - اُس نے بایاں ہاتھہ پھیلا کر اشارہ کیا کہ آگے جاؤ - یہ سڑک کے انتظام میں پولیس کے سپاہی کی

حرکات کا مطالعہ اچھی طرح کر چکے تھے سمجھے کہ اس دروازہ میں جانے کو کہتا ھے جھٹ ڈبکی مار اس کے ھاتھہ کے نیچے سے گذر دروازہ میں داخل ھوئے -

شامت اعمال سے یہ گیلری عورتوں کی تھی - عورتوں نے جو دیکھا کہ ایک دھقان جوتیاں بغل میں دبائے اندر گھسا آ رھا ھے تو غل مچا دیا - کسی کو چکر آیا کوئی گھبرا کر کھڑی ھوگئی - ایک بیگم صاحب نے بے دم ھو کر دادا جان کے کندھے پر سر رکھہ دیا - نیچے پارلیمان کا اجلاس ھو رھا تھا - اس غل شور سے وہ بھی بند ھو گیا - سب لوگ پھر پھر کر عورتوں کی گیلری کی طرف دیکھنے لگے........آخر نیچے سے دو تین افسروں نے آ کر دادا جان کو اس گیلری سے نکال کر زبردستی مردوں کی گیلری میں تھونس دیا -

یہ تھوڑی دیر تک تو پریشان حال بیٹھے رھے جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اپنی جگہہ سے اُٹھے اور لوگوں کی گھٹیاں کھاتے ' دھتکاریں سنتے گیلری کے جنگلہ تک پہنچے اور جنگلہ پر دونوں کہنیاں ٹیک جھک کر نیچے کا تماشا دیکھنے لگے لوگوں نے ھٹانا بھی چاھا - ٹانگوں میں چٹکیاں بھی لیں مگر یہ کیا ھٹنے والے اسامی تھے - تھوڑی دیر کے بعد ایک صاحب سے پوچھا ارے بھئی یہ نیچے کیا ھو رھا ھے انھوں نے کہا کہ پارلیمان کا اجلاس ' پھر سوال کیا کہ نیچے جو لوگ بیٹھے ھیں یہ کون ھیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ پارلیمان کے ممبر ھیں اتنا سننا تھا کہ دادا جان نے نعرہ مارا کہ ٹھرو ٹھرو ھم کو بھی نیچے آنے دو یہ ھمارے بغیر کیوں اجلاس کیا جا رھا ھے اس آواز سے سب لوگوں کی نظریں مردانہ گیلری کی طرف خود

بخود پھر گئیں کیا دیکھتے ہیں کہ وہی صاحب جو پہلے زنانہ گیلری میں آفت بپا کر چکے تھے اب دوسری گیلری میں کھڑے اجلاس بند کرنے کا حکم دے رہے ہیں - لوگوں میں گھسر پھسر شروع ہوئی صدر نشین نے بڑے زور سے " خاموش " کہا دادا جان سمجھے مجھے خاموش کرنے کو کہا جا رہا ہے وہیں سے چیخ کر بولے آخر ہم کیوں چپ رہیں - ایک تو بغیر ہمارے کمیٹی شروع کر دو اور پھر یہ کہو کہ چپ رہو ' ہم یہاں بولنے آئے ہیں یا چپ رہنے کو .... " -

---

" ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی " -

" میں نے دانی سے کہا کہ بھئی تمہارے کہنے سے میں نے عربی لی تھی اب مرے کہنے سے تم سائنس لے لو جس سہولت کی بنا پر تم نے میرا مضمون بدلوایا تھا اب اسی سہولت کے مد نظر اپنا مضمون بدلو - بقول شخصے کہ " مرتا کیا نہ کرتا " وہ راضی ہوگئے - دفتر میں جاکر جو لکچروں کا حساب کیا تو معلوم ہوا کہ مضمون تبدیل کرنیکا وقت نہیں رہا - لکچر کم رہ جائینگے اور اس طرح بجائے دو سال کے تین سال میں شریک امتحان ہونا پڑے گا " سنگ آمد و سخت آمد " جب " وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے " کی صورت آپڑی تو دوسرے ٹھکانے کی تلاش ہوئی - دونوں سر ملاکر بیٹھے ' مشورے کئے ' رزولیشن پاس ہوئے - آخر یہ تجویز پاس ہوئی کہ " خاک از تودہ کلاں بردار " کے مقولے پر عمل کر کے کسی زبردست مولوی کو گھیرنا چاہیے - دلی میں دو تین

بڑے عربی داں مانے جاتے تھے - ایک مولوی محمد اسحاق صاحب دوسرے شمس العلما مولوی ضیاءالدین خاں صاحب ال ال ڈي اور تیسرے مولوي نذیر احمد خاں صاحب - پہلے کو تو دیوانگي سے فرصت نہ تھي - قرعہ دوسرے صاحب پر پڑا ، گرمیوں کا زمانہ تھا - مولوي ضیاءالدین صاحب جامع مسجد میں رات کے دس گیارہ بجے تک بیٹھے وظیفہ پڑھا کرتے تھے - ہم دونوں نے بھي جاکر شام ھي سے جامع مسجد کي سیڑھیوں پر ڈیرے ڈالدئے آٹھہ بجے نو بجے دس بج گئے - مولوي صاحب نہ آج نکلتے ھیں نہ کل - خدا خدا کر کے دروازہ سے قندیل نکلتی معلوم ھوئي - ہم دونوں بھي ھاتھہ پاؤں جھٹک کر خوشامد کے فقرے سوچ کھڑے ھوئے - ہم آخر سیڑھیوں پر کھڑے تھے اس لیے دروازہ میں سے پہلے قندیل نکلتي نظر آئي اس کے بعد جس طرح سمندر کے کنارے سے جہاز آتا دکھائي دیتا ھے اسي طرح پہلے مولوي صاحب کا عمامہ اس کے بعد ان کا نوراني چہرہ ، سرمگیں آنکھیں ، سفید ریش مبارک ، سفید جبہ اور سب سے آخر زرد بانات کي سلیم شاھي جوتیاں نظر آئیں .... "

" .... اندھا کیا چاھیے دو آنکھیں ، ٹھیک آٹھہ بجے ہم دونوں سراج الدین صاحب کي دوکان پر پہنچے - یہ دوکان فتح پوری کي مسجد کے قریب تھي جاکر کیا دیکھتے ھیں کہ مولوي صاحب بیٹھے سراج الدین سے کچھہ رقم کا حساب کر رھے ھیں - ہم نے جاتے ھي فراشي سلام کئے اور خاموش تخت کے کونے پر بیٹھہ گئے - سراج الدین صاحب نے خیریت پوچھي - عبدالرحمن ہمارے پاس آ بیٹھے - مگر مولوي صاحب روپیوں

کے حساب، کتاب میں اسقدر مشغول تھے کہ اُنھوں نے دیکھا بھي نہیں کہ کون آیا کون گیا - میں نے سوچا کہ معاملہ یہاں بھي پتتا معلوم نہیں ہوتا - دھتکار سنکر یہاں سے بھي نکلنا پڑے گا - سچ ہے مایوسي انسان کو ہمت والا بنا دیتی ہے - " مرتا کیا نہ کرتا " میں نے بھي سوچ لیا " آج اِس پار یا اُس پار " - مولوي ضیاء الدین صاحب تو بچ کر نکل گئے لیکن مولوي نذیر احمد صاحب سے دو دو ہاتھ ہو جائیں گے - قصہ مختصر مولوي صاحب حساب سے فارغ ہوئے اور پوچھا کہ یہ دونوں صاحب کون ہیں - عبدالرحمن نے ہمارے نام بتائے کچھہ اُلٹے سیدھے خانداني حالات بھي بیان کئے اس کے بعد ہماري مصیبت کا بھي ذرا سا تذکرہ کیا اور خاموش ہو گئے - میں نے دل میں کہا " پرائے برتے کھیلا جوا ، آج نہ موا کل موا " اب میاں عبدالرحمن کو رہنے دو جو کچھہ کہنا ہے خود کہہ ڈالو - کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں سے بھي بے نیل مرام با ضابطہ پسپائي ہو - میں نے نہایت رقت آمیز لہجے میں اپنی مصیبت کا تذکرہ شروع کیا ، فرمانے لگے تو عربي چھوڑ دو سائنس پڑھو - بیٹا آج کل مسلمانوں کو سائنس کی بڑی ضرورت ہے - ہمارے یہاں مثل ہے " پڑھیں فارسي بیچیں تیل یہ دیکھو قدرت کے کھیل " فارسی پڑھکر تو تیل بیچ لوگے عربی پڑھہ کر تیل بھي بیچنا نہ آئے گا " -

---

اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا اگر یہاں مرزا صاحب کے مضمون (محولا بالا) کا ایک اور حصہ ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کر دیا جائے -

"......... محاوروں کی بھرمار کے متعلق اکثر مجھ سے ان کا جھگڑا ہوا کرتا تھا میں ہمیشہ کہا کرتا تھا ' مولوی صاحب (ڈاکٹر نذیر احمد صاحب) اپنے محاوروں کی کوئی فہرست تیار کر لی ہے اور کسی نہ کسی محاورہ کو آپ کسی نہ کسی جگہہ پھنسا دینا چاہتے ہیں خواہ اس کی گنجائش وہاں ہو یا نہ ہو - جناب والا اہل زبان کو یہ دکھانے کی ضرورت نہیں کہ وہ محاوروں پر حاوی ہے یہ صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ہم باہر والے نہیں دہلی والے ہیں .... مجھکو مولوی صاحب کی طرز تحریر پر کوئی رائے ظاہر کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اول تو میرے لئے ابتدا ہی میں " خطائے بزرگاں گرفتن خطا است " کی سب سے بڑی ٹھوکر ہے .... محاوروں کے استعمال کا شوق مولوی صاحب کو حد سے زیادہ تھا تحریر میں ہو یا تقریر میں وہ محاوروں کی ٹھونسم ٹھانس سے عبارت کو بے لطف کر دیتے تھے اور بعض اوقات ایسے محاورے استعمال کر جاتے تھے جو بے موقع ہی نہیں اکثر غلط ہوتے تھے خدا معلوم انہوں نے محاوروں کی کوئی فرھنگ تیار کر رکھی تھی یا ' کہا ایسے ایسے محاورے ان کی زبان اور قلم سے نکل جاتے تھے جو نہ کبھی دیکھیے نہ سنے .... - "

محاورے کی " ٹھونسم ٹھانس " پر مرزا صاحب اپنے استاد سے کافی برھم نظر آتے ہیں لیکن جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے شاگرد اور اُستاد ' اس سلسلے میں ایک ہی تھیلی .... نہیں .... ایک ہی ٹھیکرے .... لیکن لاحول ولاقوۃ یہ مرض تو کچھہ متعدی سا معلوم ہوتا ہے !

مرزا صاحب کا یہ مضمون "مرقع نگاری" کا بہترین نمونہ ہے - اس کا جواب شاید اردو ادب میں معدوم ہے !!

سجاد علی انصاری مرحوم بی - اے (علیگ) - سجاد اور مہدی (افادی مرحوم) اُردوئے جدید کے رنگ و بو تھے - ان کو اُردو کا نشأۃالثانیہ کہنا روا ہے - ذوق صحیح اور طنزیات جدید کا امام آہ کہ دنیا سے ابھی اُٹھا ہے - سجاد مرحوم اپنے معتقدات کے اعتبار سے کچھہ ھی کیوں نہ رہے ہوں - ان کے اُٹھہ جانے سے اُردو کی محفل میں ایسی جگہہ خالی ہوئی ہے جس کا مستقبل قریب میں پُر ہونا آسان نہیں ہے - وہ محتسب نہیں فصاد تھے اور بے پناہ اور کامل‌الفن فصاد - اُنھوں نے "بدمذاقی" اور "بدتوفیقی" کی رگ و پے پر خوب خوب نشتر زنی کی ہے - انھوں نے فریب کو کبھی پنپنے نہ دیا - بعض طبائع کو ان سے ناگواری بھی پیدا ہوئی لیکن بنائے مخاصمت ' معتقدات تھے نہ کہ ان کا آرٹ ! واقعہ یہ ہے کہ سجاد کو فریب سے دشمنی تھی اور وہ بھی ازلی ' وہ ہر فریب سے بیزار تھے خواہ اس کا اثر دوسروں پر پڑتا یا اس کا مورد خود "فریبی" ہوتا - وہ مذہب نہیں "مذہبی" کے درپے تھے - اس میں شک نہیں وہ اصلاح کے قائل نہ تھے ان کا ایمان صرف جہاد پر تھا - جہاد کامیاب ہوا ہو یا نہ ہو سجاد یقیناً کامیاب رہے !

سجاد مرحوم کا عقیدہ تھا کہ لطافت خیال ہی خلاصہ کائنات ہے اور لطافت خیال معتقدات کی کورانہ پیروی سے بالا تر ہے - سجاد کی خصوصیت انشا یہ تھی کہ وہ جو کچھہ کہنا

چاهتے تھے جلد از جلد اور کم سے کم الفاظ میں کہدیا کرتے تھے - طنزیئین کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے سے قبل واقعات کی ترجمانی کریں - اگر یہ نہیں تو پھر اسے طنزیات نہیں سیاسیات قرار دینا چاہیے اسی وجہ سے طنزیات کی وادی نہایت پر خطر ہے ' یہاں مقاهمہ نہیں صرف مصادمہ ہے - نظر براں اس فریضہ سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے انتہائی جرأت ' صحت ذوق اور قدرت بیان کی ضرورت ہے - سجاد مرحوم ان صفات کے مسولینی تھے ' قوموں کی مانند ادبیات کی زندگی میں بھی ایک دور ایسا آتا ہے جب اس میں مصطفیٰ کمال اور مسولینی کا پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے -

سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ ' محشر خیال ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے ' یہاں جستہ جستہ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں -

'' تجلیات ''

'' مدعیان علم و حکمت عقلمندوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور مدعیان زہد و تصوف بیوقوفوں کو .... آج کل اعمال حسنہ کی تلقین صرف وہ بد مزاق کر سکتا ہے جس میں زاہد خشک کی بد نصیبیاں اور جوان صالح کی بد توفیقیاں فطرت کی طرف سے ودیعت کی گئی ہوں .... ''

'' سعی ناکام دعاء مقبول سے برگزیدہ تر ہے ' کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ہے لیکن دعا انسانیت کا ایک اعلان شکست ہے جس کے ذریعہ سے انسانی مجبوریوں کا راز ان فرشتوں پر بھی منکشف ہو جاتا ہے جو کسی طرح اس انکشاف کے اہل

نہیں .... علما ہر مسئلہ کو صرف و نحو سے سمجھانا چاہتے ھیں - یہي سلوک انھوں نے خدا کے ساتھہ بھي کرنا چاھا لیکن وہ قادر اور توانا ھے - اس نے انسانی دماغ کو کامل شکست دیدي -- وہ جانتا ھے کہ انسان فلسفہ اور منطق کے ھر کلیہ سے اس کو محصور کرنا چاھیگا - اسي لئے حفظ ماتقدم کے اصول پر اس نے اپني ذات میں تمام متضاد صفات مجتمع کر لیں تاکہ انسان کي عقل بیکار ھو جائے - اس کي ھر منطق مجبور اور اس کا ھر فلسفہ لایعنی ثابت ھو ''

'' مذھب و اخلاق ''

'' .... ایران کے متعلق دنیا کو یہ غلط فہمي ھے کہ وہ ایک طور ھے جس پر حقائق رنگین کی تجلیاں پرتوافگن هوتي ھیں -

لیکن میں اس کا قائل نہیں - اگر ایرانیوں میں مذاق سلیم کی نیرنگیاں اور حِس لطیف کی رنگیلیاں ھوتیں تو وہ قرۃالعین کی بربادیوں کے متحمل نہ ھو سکتے اگر کوئی صحیح موقعہ سلطنت کے نظم و نسق '' علماء کرام '' کے اجتہاد اور جماعت کے طریقہ کار کے خلاف بغاوت کرنیکا تھا تو یہی تھا جب قرۃالعین عبرت ناک مظالم کے ساتھہ ھلاک کر دیگئی -- ان سفاکیوں کی ذمہ دار حقیقتاً وہ جماعت ھے جو زعم کثرت میں انفرادي عظمتوں کو برباد کرتی رھتی ھے اور وہ '' پاسبانان مذاھب '' جو ھمیشہ پاسبانی کے پردہ میں بہیمیت کے کرشمے دکھلاتے رھے !

مجھے عقبیٰ سے کوئی دلچسپی نہیں ، البتہ اس کا منتظر ضرور ہوں - میں قرۃالعین کے قاتلوں کا حشر دیکھنا چاہتا ہوں - میرا عقیدہ ہے کہ خدا غلط مواقع پر رحم و کرم کو دخل نہیں دیتا وہ حسن کی لطافتوں کا بھی معرف ہے اور شباب کی رنگینیوں کا بھی - وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کے مظاہر لطیف کو دنیا والے اس بے دردی کے ساتھہ پامال کر دیں !

" حقیقت عریاں "

فرشتے کی انتہا یہ ہے کہ شیطان ہو جائے - ایک حقیقت جب مٹتی ہے دوسری حقیقت ہو جاتی ہے - خدا نے ابتدا میں صرف فرشتوں کو پیدا کیا تھا اس وقت تخلیق شیطنت کی ضرورت ہی نہ تھی وہ جانتا تھا کہ خود ملکوتیت میں عناصر شیطنت مضمر ہیں - سلسلۂ ارتقاء سے شیطان خود بخود پیدا ہو جائے گا - معلم الملکوت کی فطرت میں ملکوتیت کے وہ تمام عناصر مکمل ہو چکے تھے جو تخلیق شیطنت کے لئے لازمی تھے - فطرتاً اس کے لئے یہ محال تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ملکوتیت پر قانع رہے - وہ شیطنت پر مجبور ہوگیا اس کے سامنے ایک نئی حقیقت کی وسعتیں پیدا ہو گئی تھیں - وہ کسی طرح فرشتہ نہیں رہ سکتا تھا .... شیطنت ایک حقیقت تھی جسے کوئی فرشتہ نہیں جھٹلا سکتا تھا .... "

مولانا نیاز فتحپوری نے ایک جگہہ لکھا ہے ؛

" مزاح نگار کی حیثیت سے اس وقت پطرس ، رموزی ، رشید اور عظیم چغتائی بہت مشہور ہیں .... چغتائی صاحب

کي مزاح نگاري اکثر و بیشتر منحصر ہوتي ہے صرف پلاٹ یا واقعات پر یعني وہ حالات ایسے پیش کرتے ہیں جو مشاہدے کے بعد یوں بھي ہر شخص کو ہنسا سکتے ہیں رموزي کي مزاح نگاري منحصر ہے اس امر پر کہ وہ الفاظ یا فقروں کا استعمال ان کے عام متبادر معني سے ہٹ کر کرتے ہیں - رشید صاحب کي مزاح نگاری کا دور اولین فلسفیانہ مزاح نگاری کا بہترین نمونہ تھا - لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے اور وہ غور و تامل کي کلفت میں نہ خود مبتلا ہونا چاہتے ہیں نہ کسي اور کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں تاہم کوئي نہ کوئي سنجیدہ نتیجہ ان کي تحریر سے ضرور پیدا ہوتا ہے - پطرس کي مزاح نگاری بڑي حد تک مغربي رنگ کي ہے جس میں واقعہ و انداز بیان دونوں سے مضحک کیفیات پیدا ہوجاتي ہیں لیکن نتیجہ کے لحاظ سے ہمارے لئے یہ کہنا دشوار ہو جاتا ہے کہ اس میں واقعي کسي تلخ حقیقت (grim reality) کا مطالبہ پیش کیا گیا ہے - حالانکہ ایک مزاح نگار کا حقیقي کمال یہي ہے - شوکت کي مزاح نگاري بھي اس خصوصیت سے معرا ہے اور وہ بھي قطعی طور پر اپنے موضوع سے گذرنا چاہتے ہیں لیکن اس کے ساتھہ ان کے یہاں زبان کا لطف ، مشاہدہ ، جزئیات اور لطافت خیال یہ سب اس قدر خوبي کے ساتھہ ملے ہوئے نظر آتے ہیں کہ وہ اپني فضا خاص پیدا کر لیتے ہیں .... " -

" پطرس ، رموزي ، اور عظیم چغتائي کے بارہ میں مولانا نیاز نے جو کچھہ فرمایا ہے اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کي ذمہ‌داری خود ان پر یا پھر اسي " تثلیث " یا

بقول[1] شخصے ''تگدم'' پر عائد ہوتی ہے - البتہ "رشید صاحب'' کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کا کم سے کم یہ فقرہ

''شاید ان کا دماغ زیادہ تھک گیا ہے''

قطعاً صحیح ہے بشرطیکہ دماغ کے ساتھ اب قلم بھی شامل کر لیا جائے - چنانچہ بقیہ آیندہ اڈیشن میں !

---

۱ - تثلیث کا مفہوم تگدم سے ادا کرنا ' یاد نہیں آتا کسکی جدت طبع ہے - ممکن ہے خود میری ہو ممکن ہے کسی اور '' صدیقی '' کی ہو -

اغلاط نامہ

صفحہ — سطر	غلط	صحیح	صفحہ — سطر	غلط	صحیح
۲ — ۶	معمولي	معمول	۴ — ۱۰	کا پہلو	کا یہ پہلو
۲ — ۷	ہوتے	ہو گئے	۴ — ۱۹	اسیمتن	اسمیتن
۲ — ۱۴	دیوتاؤں	...	۴ — ۲۰	کے	کي
۳ — ۱۱	اُنہیں	اِنہیں	۱۱ — ۵	غیر	..
۳ — ۱۴	,,	,,	۱۲ — ۱۶	خیطبانہ	خطیبانہ
۳ — ۱۶	ہونے لگا	دکھنے لگے	۱۴ — ۵	راقم اسطور	راقم‌السطور
۴ — ۱۰	اسباب؛	اس باب	۱۷ — ۲۰	برتاسکا	برتانیکا
۴ — ۲۲	Laux	Lanx	۱۸ — ۱۹	فرد	فرو
۶ — ۱۴	کچھ بعد	کچھ عرصہ بعد	۱۸ — ۱۶	لعن طعن	لعن و طعن
۱۰ — ۴	پیچپید	پیچیدہ	۱۹ — ۲	قایم	قدیم

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۲۰ — ۲	کی	کے	۲۹ — ۱۳	ناضرین	ناظرین
۲۰ — ۷	تمشیلہ	تمثیلیہ	۳۰ — ۱۲	یر	بر
۲۰ — ۸	کے	کی	۳۱ — ۹	تشیند	نشیند
۲۰ — ۱۱	اِن	اُن	۳۱ — ۲۲	پیامدید	بیا لاید
۲۱ —	صفحہ ۱۹	صفحہ ۲۱	صفحہ ۳۲	۳۱	۳۲
۲۱ — ۱۵	لینڈسے	لنڈسے	۳۳ — ۲۰	اسلہ	اسلحہ
۲۳ — ۹	اس زندگی	اس میں زندگی	۳۵ — ۹	گفیتم	گفتیم
۲۴ — ۱۵	لفظوں	الفاظ	۳۶ — ۱	املع	املح
۲۵ — ۲	سے	ہے	۳۹ — ۱۱	ابوالحق	ابواسحق
۲۶ — ۳	استعدار	استعداد	۳۷ — ۲۱	معزرت	معذرت
۲۷ — ۲۱	اتفات	التفات	۴۰ — ۹	املع	املح

صفحہ—سطر	غلط	صحیح	صفحہ—سطر	غلط	صحیح
۴۴—۷	ایرنی	ایرانی	۸۹—۹	آتی	آئي
۳۷—۱۳	سودا کے	سودا کا	۸۹—۱۲	گوماتی	گرماتي
۴۸—۳	میں	ھے	۸۸—۳	کاشلس	کانشنس
۵۱—۱۳	انھوں فرمایا	انھوں نے فرمایا	۸۸—۸	کڑے	لڑے
۵۱—۲۰	یہ	یہ	۹۵—۱۱	استعفا	استغنا
۶۰—۱	اوت	ادت	۱۰۰—۱۱	ازاد	سرشار
۶۱—۶	جوب	خوب	۱۰۳—۱۸	خیر	جن
۷۶—۱۵	چلک	چاک	۱۰۵—۱۳	اذل	اوذل
۷۷—۱	چھر	چھرہ	۱۱۳—۳	لساالعصر	لسان‌العصر
۷۹—۷	س	اِس	۱۱۴—۱۹	ھجائیں	ھو جائیں
۸۳—۲	گوئي	کوئی	۱۱۵—۱۹	گھپر	گھپر

صفحه—سطر	غلط	صحیح	صفحه—سطر	غلط	صحیح
١٣٦—	صفحه ١٣٦	١٣٦	١٤٢—٩	تول	قول
١٣٦—٣	اس	کي	١٤٢—٩	تطبق	تطابق
١٣٦—٣	زیادہ هو	زیادہ سیاہ	١٤٢—١٥	قویم	قدیم
١٣٨—٧	بڑکے	بڑے	١٤٣—٩	جر	جو
١٣٨—١٨	هتیار	هتهیار	١٤٨—١١	کر نه	کرکے
١٣٨—٢٢	ملسح	مسلح	١٥٣—٣	لوگرن	لوگوں
١٣٩—١٢	شهزده	شهزادہ	١٩٠—١٩	گرینگے	کرینگے
١٤٠—٥	نوچھ	نوچ	١٩٧—١١	سرقیانه	سوقیانه
١٤٠—١٣	اور	..	١٩٨—٩	مخائف	صحائف
١٤١—١٧	وهی	دهی	١٩٨—١٧	حسن	حُسین
١٤١—٢٠	گلسنی	گلنسي	١٩٩—٨	حسن	حُسین

۱۷—۱۷۹	بعیت	بیعت	۱۹—۲۰۹	لپٹے	لپٹے
۲۲—۱۸۰	حکیم برحم	حکیم برهم	۱۰—۲۰۷	خانوانوں	خاندانوں
۱۹—۱۹۰	تغریب	تخریب	۱۳—۲۰۷	فیچ	نیچ
۳—۱۹۳	تغزش	لغزش	۳—۲۰۸	تیز	تن
۲—۱۹۴	الهذي	الهدی	۱۸—۲۱۰	اضطواری	اضطراری
۹—۱۹۵	بنے	بلکے	۲۲—۲۱۱	نزیر	نذیر
۱۳—۲۰۲	کے	وہ	۱۷—۲۱۲	راشدالغیری	راشدالخیري
۱۲—۲۰۲	وھي	وھبي	۱۸—۲۱۳	تھی	ہے
۲۰—۲۰۳	هو	هوا	۱۸—۲۲۳	دیکھئے	دیکھے
۱۳—۲۰۴	اسفندیار	اسفندیاري			
۳-۲—۲۰۵	سکتات	سکنات			

هندستانی اکیڈیمی (صوبۂ متحدہ) الہ آباد
کی مطبوعات

- ازمنۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی - ایم - اے ، ایل ایل - ایم سی - بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -
- ایضاً ایضاً غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱ - اردو سروے رپورٹ - از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ایم - اے - ۱ روپیہ -

۴ - عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ۴ روپیہ

۵ - ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب - ایم - اے ، ایم - آر ، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۶ - فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب ، رواں - ۲ روپیہ -

۷ - کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۸ - قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از رائے بہادر مہا مہوپادھیا پنڈت گوری شنکر ہیراچند اوجھا ، مترجمۂ منشی پریم چند - قیمت چار روپئے

۹ - ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت دو روپئے

۱۰ - ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ، ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت چار روپئے

۱۱ - عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ، بی - اے ایل ایل - بی - ۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۲ - معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم اے ، پی ایچ - ڈی - غیر مجلد ۱ روپیہ - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۱۳ - فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت ایک روپیہ

۱۴ - مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ، ایم - اے - قیمت چار روپئے

۱۵ - جواہر سخن جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی - قیمت مجلد ۵ روپیہ - غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ

سول ایجنٹ کتابستان ، الہ آباد

DUE DATE